۲۵/اپریل ۲۰۰۴ء

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

اشاعت کے اہم رسالہ

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ-۳۰)

اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے، وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے
ہوئے سے پہنچتی ہے، اور (اللہ) بہت سے تو درگذر کر دیتا ہے۔

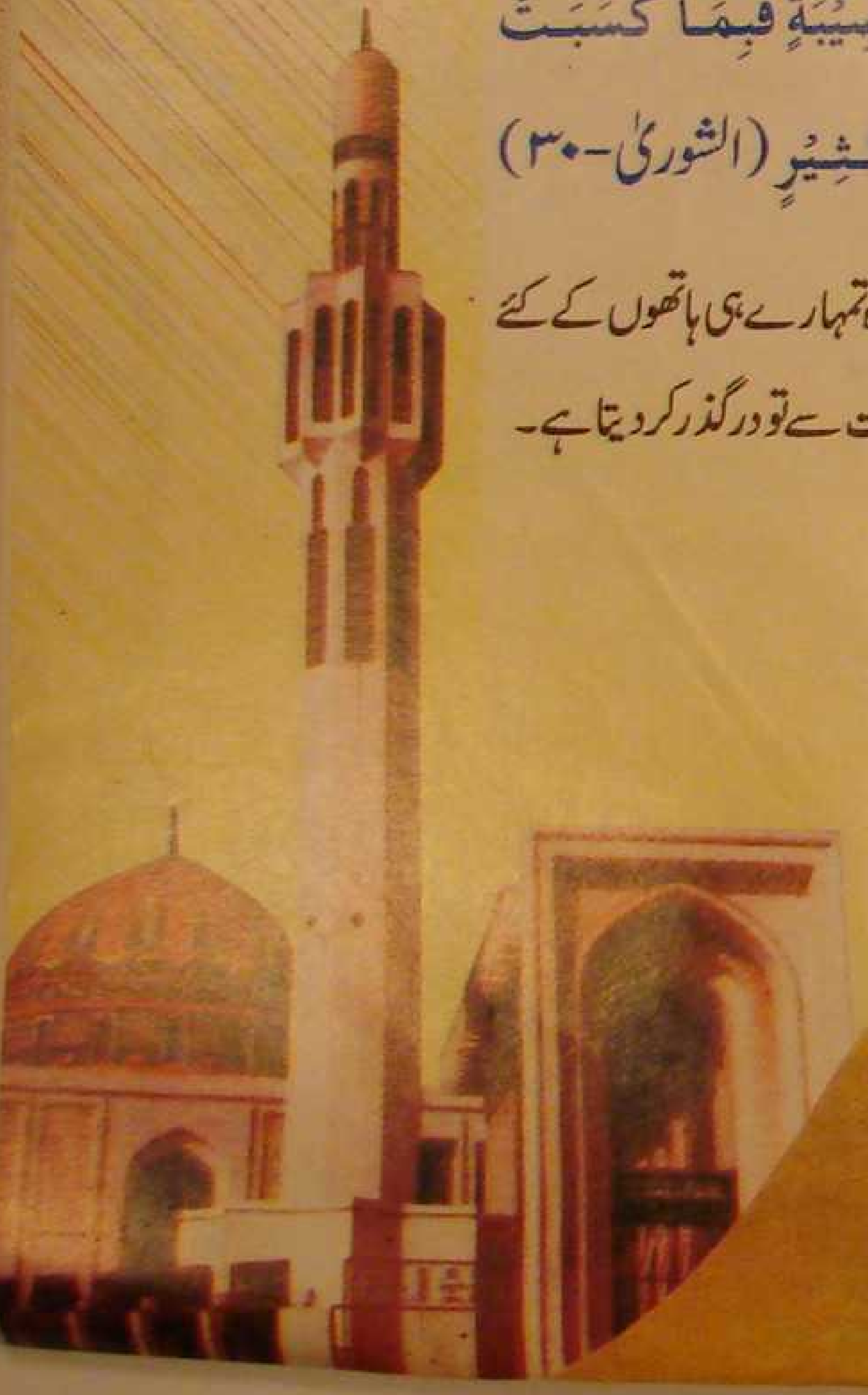

Rs. 7/-

April. -2004

Tameer-e-Hayat

Nadwatul- Ulama,Lucknow-226007

Vol.2, Issue No.25

R.N.I.No.UP.URD/2001/6071

ندوہ مہمان خانہ (0522) 2740151

دفتر اہتمام 2741272

رابطہ ادب اسلامی فیکس: 2741221

شعبہ تعمیر و ترقی فیکس: 2741231

Mob : 3102451

(S) : 0522-2260671
® : 0522-2267429

Mohd. Miyan Jewellers

محمد میاں جویلرس

۱۲/ کپور مارکیٹ، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ-۳

TEL : 2266786

ریاض احمد
غیاض احمد

SANA
JEWELLERS

۳۰۱/۱۲ سرائے بانس
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12 SARAIN BANS
AKBARI GATE CHOWK, LUCKNOW-3

☎ 2260433

جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna (Palace)

گھنہ پیلیس

Whenever You See Jewellery; Think of us

حاجی عبدالروف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

Resi : 2268177
Mob: 3126122

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ رسالہ دیرینہ نام

Shop: 2000667
9415002532

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

(پروپرائٹر: محمد اسلم)

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad,Lucknow-18

☎ 2217956

Mohd. Faizan Nadwi

حرمین بک ڈپو

HARAMAIN BOOK DEPOT

○HOLY QUR'AN ○ISLAMIC BOOK's
○KALONJI OIL
& KALONJI PRODUCTS○LEATHER SOCKS
○KHOJATI SURMAS SUPPLIER

(Markaz Masjid)Katchehri Road, Aminabad, Lko-18

Editor : Shamsul Haq Nadwi Office Ph : 2741235 (Ext) 18 Printed & Published by Athar Husain on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Offset Press, Tagore Marg Lucknow

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کے ۴۱ سال

جلد نمبر ۴۱ — ۲۵ را پریل ۲۰۰۴ء مطابق ۴ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ — شمارہ نمبر ۱۲

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام

مولانا شمس الحق ندوی

معاون

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر

امین الدین شجاع الدین

معاون

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

• مولانا نذر الحفیظ ندوی • مولانا عبداللہ حسنی ندوی

• مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرتعاون

سالانہ -/۱۵۰ ———— فی شمارہ -/۷

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

• ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) (0522) 2740151 مہمان خانہ 2741235 (Ext)18

Website : www.nadwatululama.org

e-mail : Nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

اس شمارے میں

بسم اللہ		
☐ رئیس التحریر کی میز سے:	ا-ش	۲
اداریہ		
☐ ایں جناب وآں جناب	(جناب مولانا) عبداللہ عباس ندوی	۳
سخن دلنواز		
☐ جنگوں کا ذمہ دار کون ؟	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ	۴
چراغ راہ		
☐ مدارس کی خصوصیات کو ختم کرنے کی سازش	(جناب مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی	۷
تعلیم الحدیث		
☐ والدین کے ساتھ حسن سلوک	(جناب مولانا) عبداللہ عباس ندوی	۹
☐ صلہ رحمی		
تدوین سیرت		
☐ سیرت نگاری اور اس کا ارتقاء	ڈاکٹر محمود الحسن عارف	۱۲
عالم اسلام		
☐ شیخ احمد یاسین کی شہادت	مولانا نذر الحفیظ ندوی	۱۵
علم و آگہی		
☐ انسانی دنیا پر عربوں کے عروج کا اثر	ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی	۲۲
عقیدت کے پھول		
☐ درود وسلام	مولانا محمد ثانی حسنیؒ	۲۳
شخصیت		
☐ ڈاکٹر یوسف القرضاوی	پروفیسر اجتباء ندوی	۲۶
اصلاح معاشرہ		
☐ نسلی تفاخر وامتیاز اور اسوۂ رسولؐ	مولانا خالد غازیپوری ندوی	۲۹
رفتار کار		
☐ رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار رانچی	مولانا اقبال احمد ندوی	۳۰
رپورٹ		
☐ روداد مذاکرہ علمی، اعظم گڑھ	جناب عمیر صدیق ندوی	۳۱

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زرتعاون ۱۵۰؍روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

نور بصیرت

''اللہ تمہارے لئے، اور تمہارے ساتھ جو مظلوم ہیں ان کے لئے (ضرور) کوئی راہ نکالے گا''

معاہدۂ حدیبیہ لکھا جا رہا تھا، اور دستخط نہیں ہوئے تھے، کہ قریش کے مندوب سہیل کے صاحبزادے حضرت ابو جندلؓ جو اسلام لا چکے تھے، اور کفار مکہ کی قید میں تھے، کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے افتاں و خیزاں حدیبیہ دربار نبویؐ میں پہونچے، سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، آپؐ نے فرمایا ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہوا، لیکن سہیل بضد ہو گیا، اور ابو جندلؓ نے مجمع کے سامنے اپنے جسم پر تشدد کے زخم دکھائے، مسلمان تڑپ اٹھے، ان کی اطاعت شعاری کا یہ سخت خطرناک امتحان تھا، آپ ﷺ نے ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس کر دیا، اور فرمایا۔

يَا اَبَا جندل اِصبِر وَاحْتَسِبْ فَاِنَّ اللهَ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعك مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فرجَاوَمَخرَجًا، اِنَّا قد عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحًا وَاِنَّا لَا نغدر بهمُ۔

''اے ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ اللہ تمہارے لئے، اور تمہارے ساتھ جو مظلوم ہیں، ان کے لئے (ضرور) کوئی راہ نکالے گا، ہم نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا، اور اب ہم ان کے ساتھ بدعہدی نہیں کر سکتے۔

یہ اس قدر دلخراش منظر تھا کہ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے، اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ رسول برحق نہیں ہیں؟'' آپؐ نے جواب دیا ''ہاں ہوں'' حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' ارشاد ہوا، ''ہاں ہم حق پر ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے پھر کہا ''تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟'' آپؐ نے فرمایا۔ ''میں خدا کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا............'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس گفتگو کا زندگی بھر ملال رہا، اور کفارہ کے لئے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور خیرات کرتے رہے اور غلام آزاد کئے۔

(صحیح بخاری بحوالہ سیرت النبیؐ)

بسم اللہ

رئیس التحریر کی میز سے

پاک اور پیارا محمدی انقلاب ﷺ

دجالی فتنہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے کیسے دلکش لیکن کس قدر پر فریب تعبیریں وضع کرلیتا اور تراش لیتا ہے ﴿زَيَّنَ لَكُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ﴾ "خوش نما کردیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے اعمال کو) کے مصداق —— ایسی ہی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح "تعمیرنو" کی بھی رائج کردی گئی ہے، سقوط کابل اور سقوط بغداد کے بعد اس نام نہاد "تعمیرنو" کی آڑ میں (یا شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ) "تعمیر جنوں" کے پردے میں "تخریب" کے جو سامان ہورہے ہیں، انہوں نے ہر باشعور وغیور انسان اور ہر باضمیر مسلمان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور وہ کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہے کہ انسان، جس میں خالق ومالک نے مسجود ملائکہ بننے کی صلاحیت رکھی ہے جب منکر ہوجاتا ہے تو اسفل سافلین ہوجاتا اور جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے —— ظلم وبربریت کو کس طرح امن وسلامتی کے معنی پہنادئے جاتے ہیں، انسانی خون کس طرح ارزاں ہوجاتا ہے اور کس طرح ننھی ننھی جانوں تک کو خاک وخون میں نہلادیا جاتا اور مقدس وباوقار قائدین تک کے بھی چیتھڑے اڑادینے میں نہ عار محسوس ہوتا ہے نہ دریغ کیا جاتا ہے۔

نام نہاد مہذب ومتمدن دنیا کی "تعمیرنو" کی مہم کی ایک تصویر یہ ہے —— قتل وغارت گری اور جبر وتشدد کی تصویر!! لیکن ربیع الاول کے اس مبارک مہینہ میں ذرا تصور کیجئے تاریخ انسانی میں اپنی نوعیت کی اُس بے نظیر وجداگانہ نئی دنیا کی تعمیر کی مہم کی، جو رہتی دنیا تک کے لئے نظیر ہے اور رہے گی۔ تاریخ انسانی میں نئی دنیا کی تعمیر کی اُس مہم کے نتیجہ میں سلامتی، عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کا وہ نظام قائم ہوا کہ جہاں کا کمزور ترین فرد بھی ظلم سے محفوظ اور ضرر سے مامون تھا، چنانچہ مدنی دور میں آقائے دو جہاں ﷺ نے عدی بن حاتم سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ بخدا وہ وقت قریب ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا خوف وڈر نہ ہوگا۔

تاریخ انسانی میں نئی دنیا کی تعمیر کی اس مہم کو جنگوں کے میدان کارزار سے بھی گزرنا پڑا مگر افسوس کہ دنیا اس حقیقت سے صَرفِ نظر کرنا چاہتی ہے، کہ بدر، احد، اور احزاب کی تین بڑی جنگیں تو وہ ہیں جو دشمن کی للکار کے جواب اور دفاع میں لڑی گئیں جب کہ حنین وطائف کو فتح کرنا اس لئے لازم تھا کہ وہ دشمن کی جنگی قوت کے مرکز تھے اور غزوہ بنی مصطلق اور غزوہ خیبر کا مقصد سازشی کارروائیوں کا استیصال تھا۔ اخلاق کے بجائے تلوار سے اسلام کا رشتہ جوڑنے والے اس حقیقت سے بھی صَرفِ نظر کرنا چاہتے ہیں کہ جنگوں کے معاملہ میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی شان رحمۃ للعٰلمینی جابجا صاف دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے۔ آٹھ نو سال کی مدت میں دوران جنگ دونوں طرف سے جو موتیں ہوئیں ان کی کل تعداد صرف ایک ہزار اٹھارہ ہے —— جن میں مشرکین کی تعداد ۷۵۹ ہے اور علمبرداران توحید کی تعداد ۲۵۹ (۱)

روئے زمین پر اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ ایک پاک وپیارا انقلاب بپا ہوا، ایسا انقلاب کہ جب مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی تو وہ علاقہ تقریباً سو مربع میل تھا اور آٹھ نو سال کے قلیل عرصہ میں یہ ریاست دس بارہ لاکھ مربع میل کی وسعت کو چھو رہی تھی لیکن اس کے لئے نہ کوئی جبر وتشدد کیا گیا نہ قتل وغارت گری سے کام لیا گیا۔ کلمۂ طیبہ کے بیج سے وہ شجرۂ طیبہ برگ وبار لایا جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں انسانیت کے قافلہ نے سکون وراحت کا سانس لیا اور تاریخ انسانی اس حقیقت سے آشنا ہوئی کہ جنگ کے بھی آداب ہیں، اسلام کے نزدیک اس کا مقصد اجتماعی مفاد، انسانیت کا تحفظ اور امن وسلامتی کی حفاظت ہے جنگ کا یہ اسلامی تصور ہے جو حقیقت اور انصاف پر مبنی ہے اور امن مستقل اور بنیادی چیز ہے لیکن افسوس کہ امن وآشتی کے علمبردار دین کے نام لیواؤں پر آج دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے الزامات عائد کئے جارہے ہیں اور اس لئے عائد کئے جارہے ہیں کہ سچائی کا راستہ روکا جاسکے۔

یہی وقت ہے کہ ہم کتب تفسیر وحدیث اور سیرت رسول ﷺ سے وہ شعور حاصل کریں جس سے مایوسی کی جڑیں کٹتی ہیں اور امیدوں کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ رہے مکروسازش کے جھکڑ اور انسانی خون کی ہلاکت خیز برکھا، تو تاریخ یہی بتاتی ہے کہ سچائی کا راستہ قدم قدم بلاؤں سے ہی ہوکر گزرتا ہے لیکن مظلوم ومغلوب بالآخر غالب آکر رہتا ہے بشرطیکہ اللہ اور رسول سے خیانت نہ کی جائے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو:

"اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے، مغلوب پڑے ہوئے ملک میں۔ ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ۔ پھر اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو۔ اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے۔" (سورۃ الانفال، آیت/ ۲۷)

"تعمیرنو" کا راگ الاپنے والے یا ڈھونگ رچانے والے جب بھی مسائل وحالات کا بے لاگ تجزیہ کریں گے اور ان کا ایماندارانہ حل تلاش کرنا چاہیں گے تو وہ حل انہیں نبی رحمت ﷺ ہی کے چوکھٹ پر مل سکے گا ع

غبار راہ روشن ہے بہ شکل کہکشاں ابتک

(۱) سید انسانیت ﷺ

ادا ریہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی

ایں جناب اور آں جناب

ہندوستان میں ۲۰۰۴ء کا جنرل الیکشن ختم ہونے پر آیا، ہفتہ دس دنوں کی بات ہے "پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ" حکومت کی پرانی کرسی پر نئے حکمراں آجائیں گے۔ ایں جناب جائیں، گے آنجناب آئیں گے۔ اور ہم مسلمان جہاں تھے وہیں رہیں گے۔ ہوسکتا ہے ہمیشہ کی طرح ایک یا ڈیڑھ وزارت بھی مل جائے، کوئی معمولی سی وزارت پر کوئی صاحب، وزیر باتدبیر کے عہدہ پر سرفراز ہوجائیں، چند دنوں کی وزارت معمولی سی معمولی سہی پھر بھی وزارت ہی ہوگی، آگے پیچھے وردی پوش محافظوں کا پہرہ ہوگا، ایک دو کاریں ہوں گی، مسلمانوں کے کسی جلسہ میں صدارت کا اشارہ مل جائے گا، کہیں مشاعرہ کی سرپرستی کریں گے، ہوسکتا ہے حج وزیارت کے نام پر غیر ملکی دورے پر بھی رکن بنا کر بھیجے جائیں اور وہاں پوری ہمت اور جواں مردی کے ساتھ بتائیں کہ ہندوستان میں سب خیریت ہے، مسلمان اپنے جمہوری حقوق دوسروں کے دوش بدوش حاصل کررہے ہیں، ان کے مدرسے، یتیم خانے، اور درگاہیں سرکار کی حفاظت میں ہیں، اور ادھر کئی سال سے ان کے خلاف پولیس ایکشن بھی کم ہوا ہے، اگرچہ جو ہوا ہے وہ انسانیت کے تاریک سے تاریک دور میں بھی کم ہوا ہوگا۔ بہر حال مسلمانوں کے ووٹ سے کہیں کوئی امیدوار اپنی اکثریت بڑھالے گا، خود مسلمان، مرکز تو کیا کسی صوبے میں بھی حکومت نہیں بنا سکتے، کیونکہ ان کی ایک طرف تو اکثریت نہیں اور اگر کہیں اپنا پلڑا بھاری کرسکتے تھے تو ان کی آپس کی جنگیں، پرانے فرقوں کے ساتھ نئے نئے فرقوں کی پیدائش جاری ہے اور وہ مجبور ہیں کہ اپنے قاتلوں کو سراہیں، ان کی ہمت افزائی کریں، ان کے دست وبازو کی خیر منائیں اور ایک آدھ ٹوٹی پھوٹی جو وزارت مل گئی ہے اس پر ناز کریں اور اترائیں، موجودہ دنیا کے جغرافیہ میں اتنا بڑا ملک شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے اندر مسلمانوں کی جیسی اقلیت ہو تعداد میں انتہائی وزنی اور قیمت میں انتہائی بے وزن۔

گذشتہ ہفتہ دینی تعلیمی کونسل کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا، اس مجلس کی داستان ایک مرد مومن (قاضی عدیل عباسی) کی فراست، دیدہ وری اور دوربینی کا قصہ ہے اور بزرگوں کے جذب دروں، دعائے نیم شبی اور بیدار مغزی کا ثمرہ۔ لیکن آج سے نصف صدی پہلے جب مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا تو صرف اسی قدر تھا کہ مشرکانہ میتھالوجی بچوں پر عائد کی جارہی ہے، جو پیش خیمہ ہے آئندہ نسلوں کے اسلام سے بے بہرہ ہونے کا، اور ان کا عقیدہ، توحید اور خداشناسی کا، مفقود ہوجائے گا۔ اب پچاس برس کے بعد اغیار کی کاوشیں بارآور ہوچکی ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی آہنی طاقت جو یہودیوں کے قبضہ میں ہے وہ عقیدہ توحید کو نہیں بلکہ توحید پرستوں کو بھی دنیا سے نیست ونابود کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس فکر کے قائدین میں سب ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ، ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشیؒ بھی نہیں رہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جن کے نفس گرم سے تحریک میں جان آگئی تھی، وہ بھی رخصت ہوئے مگر فکر الحمدللہ زندہ ہے اور اہل دانش کی دیدہ وری اپنا کام کررہی ہے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کی جگہ پر ان کے جانشین مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور قاضی عدیل عباسی کی جگہ پر ان کے بھانجے پروفیسر مسعود الحسن عثمانی اس علم کو بلند کئے ہوئے ہیں اور اپنی سعی وکاوش سے مسلمانوں کی آئندہ نسل کو دین پر قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں ان کے معاون اور ساتھ دینے والے سب ہی قابل احترام افراد ہیں جو ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کی شہ رگ کی حفاظت کررہے ہیں۔

وکان اللہ معہم ماکانوا فی عون عبادہ

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز

جنگوں کا ذمہ دار کون؟

جلسۂ پیام انسانیت میں ۱۹۵۴ء میں کی گئی ایک تقریر جو قوم وملک کو آج بھی دعوت فکر دے رہی ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے

حضرات! مجھے آپ سے جس مسئلہ پر کچھ کہنا ہے، وہ ہمارا آپ کا مشترک مسئلہ ہے، مسائل بہت ہیں، ایک ایک مسئلہ کو الگ الگ چھٹکل سوچیں تو بہت دیر لگے گی اور بات بہت دور پہنچ جائے گی، یہ زندگی کا بڑا دردناک سانحہ ہے کہ یہاں ''آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے'' اس کی خرابی کی جڑ کیا ہے، اس پر ہاتھ رکھنا ہے۔

آپ میونسپلٹی کے واٹرورکس (WATER WORKS) کے نظام سے واقف ہیں، اگر یہاں نلوں سے خراب پانی آنے لگے جو معدہ کو خراب کرے، اور اس میں بیماریوں کے جراثیم ہوں تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے نل میں کپڑا باندھ لے، چھان کر پئے یا ابال کر پئے، لیکن ہوشیاری یہ ہے کہ واٹرورکس کو صاف اور درست کرنے کی فکر کی جائے، شہر کے منتظم سے درخواست کی جائے وہ اسے درست کرے، ہم اگر کپڑا باندھ کر یا چھان کر پی لیں گے تو بہت سے راستہ چلتے ناواقف پیاسے، ہوتے ہیں منھ لگا دیتے ہیں، ان کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اس میں کون سا طریقہ درست ہے؟

آج انسانیت کا واٹرورکس خراب ہوگیا ہے، جہاں سے زندگی ابلتی ہے، وہ دہانہ خراب ہوگیا ہے، زندگی کے بجلی گھر میں خرابی آگئی، جہاں سے سارے شہر میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، انسانیت گھلتی پگھلتی جارہی ہے، چوربازاری، رشوت ستانی، دھوکہ بازی کا دور دورہ ہے، آج کا انسان ان سب گندگیوں میں مبتلا ہے، آج کے فکر مند انسان ان نتائج پر جھنجھلا رہے ہیں لیکن غصہ کس پر اتارا جائے اور اس کا ذمہ دار کس کو سمجھا جائے؟

اصل مجرم کون ہے؟

آپ تو انسان ہیں، جانور بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ ان کا دشمن کون ہے، کتا بھی مارنے والے ہاتھ پر دوڑتا ہے، ڈھیلے سے نہیں الجھتا، گدھے کی بے وقوفی ضرب المثل ہے، اسے ڈھیلا ماریئے تو وہ مارنے والے ہی کے پیچھے غصہ میں دوڑے گا، وہ سمجھتا ہے خرابی کی جڑ اور مصیبت کا سرچشمہ کہاں ہے، ہم آپ جانور سے بھی گئے گزرے، شیشہ کے محل میں رہتے ہیں، چاروں طرف سے ڈھیلے برس رہے ہیں، ایک ہاتھ ہے، جو برسا رہا ہے، ہمیں وہ ہاتھ نظر نہیں آتا، ڈھیلے پر غصہ اُتار رہے ہیں، وہ ہاتھ مطمئن ہے کہ نظر سے اوجھل ہے، اور دل کھول کر ڈھیلے برسا رہا ہے، بڑے بڑے لال بجھکو ڈھیلوں میں الجھے ہوئے ہیں، انسانیت کے سدھار کے غور وفکر میں عام مفکرین کا یہی حال ہے، ہر ایک کے سوچنے کا طریقہ ہوتا ہے۔

پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ

ہمارے سوچنے کا طریقہ پیغمبروں کا طریقہ ہے، ہم پورے غور وفکر اور کافی تجربے کے بعد بالکل مطمئن ہو گئے ہیں کہ پیغمبر سسکتی ہوئی انسانیت کے مسائل کو جس انداز سے حل کرتے ہیں، وہی صحیح طریقہ ہے، جب اس طرز پر، اس بنیاد پر کام ہوا، انسانیت کے دل کی پھانسیں چن چن کر نکل گئیں، آنکھوں کی سوئیاں خود بخود باہر ہوئیں، ایسی محبت کا زمانہ آیا کہ سب طرف آرام واطمینان ہوگیا، قرآن کہتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا راستہ بتلانے والے آئے، ان کی تعلیمات پر زمانہ کے پردے پڑ گئے، کچھ ہمیں علمی غرور بھی ہوگیا، ہم پڑھ لکھ گئے، اس لئے ہمیں ہزار دو ہزار برس پہلے کے طریقہ کار فرسودہ معلوم ہوتے ہیں، اور اس طریقہ پر سوچنا ہمارے لئے عار سا بن گیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج سب سے پرانا ہے، نئی روشنی والے پرانے سورج سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے، ہم نے پیغمبروں کا طریقہ اپنایا، ہم نے انسانیت کے سدھار کا مسئلہ ان سے سیکھا۔

خودغرضی اور بداخلاقی کا مانسون

وہ بتلاتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک مادہ ہوتا ہے، اگر کسی چیز کا سلسلہ کوئی بند کرنا چاہے، اور اس کے نتائج سے بچنا چاہے تو اس کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا مادہ ہی نہ پیدا ہونے پائے، آپ کو ایک عام فہم مثال دوں، گرمیوں میں سمندر میں ابخرات پیدا ہوتے ہیں، وہ ابخرات اٹھتے ہیں، گرمی سے وہ تحلیل ہوتے ہیں، پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں، اور موسلادھار بارش بن کر برستے ہیں، ہم مانسون کو چادر یا شامیانہ سے نہیں روک سکتے، آج دنیا پر بداخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے، یہ زرگری کا مانسون ہے، یہ خودغرضی کا مانسون ہے، نفس پرستی، ہوس اور عیش پرستی کا مانسون ہے، دل کے سمندر سے خودغرضی کے ابخرات نفس پرستی کا شوق جب حد سے بڑھ جائے گا، عیش پرستی کی گرمی اسے گھلائے گی تو خودغرضی کا مانسون برسے گا

، جو چادروں سے روکا نہیں جاسکتا۔

اس کا علاج

دل کے مانسون کو روکنے کے لئے اللہ کا یقین مرنے کے بعد اپنے اعمال کی جواب دہی کا یقین اور جزاوسزا کا یقین ضروری ہے، ایک ایسا شخص جو ان بنیادوں کو نہیں مانتا اپنے پیدا کرنے والے، روزی دینے والے خالق ورازق کو نہیں پہچانتا، وہ دنیا پر اقتدار حاصل کر کے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے، وہ کمزوروں کا کیوں لحاظ کرے، وہ جانتا ہے کہ کوششوں سے اسے ایک موقع ملا ہے، وہ کہتا ہے، زندگی کے پورے مزے لے لو، جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اوپر آگئے، وہ کیوں کسی کی بالادستی مانیں، کیوں کسی کے قانون کا احترام کریں، اور آج کا عیش کل پر کیوں چھوڑ دیں، اگر مجھے بھی معلوم ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور لے دے کر یہی زندگی ہے، تو پھر اس دنیا کا عیش کس دن کے لئے اٹھا رکھوں، عرب کا ایک نوجوان شاعر بڑا حوصلہ مند اور صاف گو تھا، وہ کہتا ہے، دو قبروں کے ڈھیر برابر ہیں، اچھا وہ رہا جو خوب عیش کے مزے اڑا کر گیا، اور بڑا نامراد وہ ہے، جو تکلیفیں اٹھاتا رہا، جب مرنے کے بعد دونوں کو خاک ہونا ہے اور دونوں کا انجام ایک ہے تو میں کیوں اپنی حسرتوں کا خون کروں اور کس لئے ایثار کروں جتنا زندگی کا لطف اٹھاؤں کروں میرا حق ہے۔

دوستو! ایک پرانے شاعر کا جو خدا اور آخرت کا قائل نہ تھا، فلسفہ زندگی ہے، آج ہمارے اس ترقی یافتہ دور کا بھی یہی فلسفۂ زندگی ہے، آج کا فلسفہ اور تعلیم بھی یہی ہے کہ کھاؤ پیو اور مست رہو جب زندگی کا یہ نظریہ بن جائے تو اس سے یہی کردار تیار ہوگا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

جنگوں کا ذمہ دار کون ہے؟

موجودہ طرز زندگی میں انسانیت کی بڑائی مال داری اور مادی عروج ہے، ہمارا لٹریچر ہمارا آرٹ ہمارا ادب سب یہی تعلیم دیتے ہیں کہ جس کے پاس مادی وسائل زیادہ ہوں اور جو جتنا زیادہ مالدار ہو اتنا ہی وہ شریف ہے، دولت مند وہی آدمی ہے، غریب آدمی ہی نہیں، آج دنیا میں سارا فساد اسی طرز فکر اور اسی معیار زندگی کا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص جلد سے جلد مال دار بننا چاہتا ہے، اور اس کے لئے جائز وناجائز سب طریقے اختیار کرتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عزت، دولت ہی سے ہے۔

گزشتہ دونوں جنگیں مال ودولت اور عزت اور وجاہت کی ہوس کا نتیجہ تھیں، ٹرین میں ایک ہندو دوست سے میرا تعارف کرایا گیا، وہ چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ دنیا میں سارا فساد مولویوں اور پنڈتوں کا برپا کیا ہوا ہے، ان کا پیشہ ہی یہ ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں پہلی اور دوسری جنگ مولویوں اور پنڈتوں ہی کی برپا کی ہوئی تھی، اس پر وہ خاموش ہوگئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ دنیا بھر کا خون پینے والے اور خون کی ہولی کھیلنے والے یہودی صفت کارخانہ دار تھے ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں یہودی کارخانہ داروں کا ہاتھ تھا، ان کے اسلحہ کے بڑے بڑے کارخانے تھے، ان کو کھپانے کے لئے ان کو بڑی بڑی منڈیوں کی ضرورت تھی، ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت انھوں نے سازشیں کیں، وارداتیں کیں، اور ملکوں اور قوموں کو لڑا دیا، ایک کارخانہ کو چلانے کے لئے انھوں نے اتنا بڑا فساد برپا کیا کہ جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، اور ملک کے ملک تباہ ہوگئے، بس آج قوموں کو ٹکرانے والا جذبہ یہ ہے کہ بس ہماری تجوری بھرے اور ہمارا بول بالا ہو اور ہمارا سکہ چلے، ہماری قوم سرفراز ہو، یہ بڑے پیمانہ کی خودغرضیاں سارے فتنہ وفساد کی جڑ ہیں، تہذیب یا کلچر، یا زبان کا اختلاف فساد کا باعث نہیں ہوا، میں پوچھتا ہوں کیا ایک کلچر، ایک تہذیب اور ایک قومیت کے لوگ نہیں لڑے، ہمارے یہاں کورو پانڈو لڑے ہیں، جو ایک ہی خاندان کے لوگ تھے، عرب میں قبیلہ سے قبیلہ لڑا ہے، جس کی ایک ہی زبان اور ایک ہی کلچر تھا، افغانستان میں پٹھان پٹھان سے، پاکستان میں مسلمان مسلمان سے اور یہاں ہندوستان میں ہندو ہندو سے لڑتا ہے، اس ٹکراؤ میں نفسانی اغراض کام کر رہے ہیں، خود غرضیاں ٹکرا رہی ہیں، غرض کا مذہب ٹکرا رہا ہے۔

اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے

پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی خرابی دور ہو، باہر جو بگاڑ ہے، وہ اندر سے پھوٹ رہا ہے، اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے، ہم سمجھے باہر کی خرابی اندر گھس گئی ہے، اور باہر کی اصلاح میں لگ گئے، جس طرح سارے جسم پر دل کی بیماری کا اثر پڑتا ہے، اسی طرح پورے نظام زندگی پر نیتوں کے فتور اور ذہنیت کی خرابی کا اثر پڑتا ہے، پرانے قصوں میں آتا ہے کہ ایک بادشاہ سیر وشکار میں اپنے ہمراہیوں سے جدا ہوگیا اور اس کو رات بڑھیا کی جھونپڑی میں گزارنا پڑی، بڑھیا نے دودھ دوہا دو سیروں اترا، بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کیا، دوسرے وقت بکری کا دودھ کم ہوگیا بادشاہ وہیں بیٹھا تھا، بڑھیا اس کو پہچانتی نہیں تھی، بڑھیا نے بڑے افسوس سے کہا کہ آج بکری کا دودھ کم ہوگیا، شاید بادشاہ کی نیت میں فتور آگیا۔

انسان اس دنیا کا بادشاہ ہے، اس کی نیت میں فتور آگیا، اس کا دل بگڑ گیا اس لئے یہ سب فساد اور خرابی نظر آرہی ہے، پیغمبر کی نظر بہت گہری ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں دل کا پاپ دھو، دلوں کو مانجھو، دل ٹھیک

کرو، دل کا بگاڑ ہی تو ہے کہ ہوا، چور بازاری شروع ہو گئی، اور جب قیمتوں کا کنٹرول ہوا تو سامان مفقود ہو گیا، اور لوگ ضرورت کی چیزوں کو ترسنے لگے، جب تک انسان کا پاپی من درست نہیں ہوتا، کچھ نہیں ہوتا، کمیونزم نے بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا کہ بگاڑ اندر سے شروع ہوتا ہے، وہاں بھی من کی کوئی فکر نہیں کی گئی، مزدور فاقہ مستی کر رہے ہیں، وہ ان کے خون اور پسینہ پر عیش پرستی کر رہے ہیں، ان کی لاشوں پر شاندار عمارتیں تیار کر رہے ہیں انھوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہر طرف من مانی ہو رہی ہے۔

نشہ بندی کی کوشش میں امریکہ کی ناکامی

ہماری سوسائٹی پاپی ہو گئی ہے، اس میں ظلم کا رجحان پیدا ہو گیا ہے، صرف شکوہ گلہ سے دنیا کی اصلاح نہیں ہو سکتی، دل صرف خدا کے خوف سے سدھر سکتا ہے، وہ صرف پیغمبروں کے بتلائے ہوئے طریقہ سے درست ہو سکتا ہے، اگر محض علم و ادب یا آرٹ اور سائنس سے درست ہو سکتا ہے تو یورپ کا من پاپ سے بالکل پاک ہوتا، امریکہ میں نشہ بندی کا منصوبہ بنایا گیا، اس کے خلاف محاذ جنگ قائم ہوا، امریکہ نے کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے، ایک زبردست مہم چلائی گئی اور ایڑی چوٹی کا زور شراب بند کرنے پر لگا دیا گیا، اس کے خلاف اتنا زبردست اور وسیع لٹریچر تیار کیا گیا کہ اگر سب اخبارات اشتہارات اور میگزینوں کو پھیلایا جائے تو کئی میل تک پھیل جائے، لیکن جتنی کوشش کی گئی امریکہ کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کو اس کی اور زیادہ ضد ہو گئی، شراب کا استعمال پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو گیا، آخر حکومت نے عاجز آ کر قوم کے ارادہ اور ضد کے مقابلہ میں ہار مان لی اور قانون واپس لے لیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خارجی انتظامات اور دماغ کے راستہ سے جو کوششیں کی جاتی ہیں، وہ ناکام رہتی ہیں، اور کوئی بڑا نتیجہ نہیں پیدا کرتیں، امریکہ کی پڑھی لکھی اور مہذب دنیا نے لٹریچر اور ادب کے معقول اور وزنی دلائل کی ذرا پرواہ نہیں کی اور اپنے نفس اور خواہش کا ساتھ دیا۔

ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ

اس ملک میں جو اخلاقی انارکی پھیلی ہوئی ہے، وہ یہاں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، افسانے اخلاق سوز باتیں پھیلا رہے ہیں، ہماری نئی نسلوں کو حیا سوز انجکشن دیئے جا رہے ہیں، سنیما کے پردوں پر پاپ دکھایا جا رہا ہے، آنکھوں سے، کانوں سے، دل میں پاپ اتارا جا رہا ہے، اخبار اور رسالے پاپ کی کھلم کھلا تبلیغ کر رہے ہیں، اور اس کا کوئی توڑ نہیں، ہم صفائی سے علی الاعلان کہتے ہیں، ہمیں آزادی ملی اللہ کی بڑی نعمت ہے، لیکن اگر ہم اخلاق پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے تو آزادی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

پیغمبروں کے پیدا کئے ہوئے اخلاق

پیغمبروں کی تعلیم سے جو اخلاق بنتے ہیں، وہ مستقل اور مصلحت اندیشی سے پاک ہوتے ہیں، نفع ہو یا نقصان، جان جائے یا رہے، وہ اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ایسا ذہن بنا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ جو اس وقت متمدن دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا تھے، ایک رات حکومت کا کام کر رہے تھے، سرکاری چراغ جل رہا تھا، ایک ملنے والے آ گئے، وہ سلام کر کے مزاج پوچھنے لگے، انہوں نے جواب دینے سے پہلے چراغ بجھا دیا، پھر ٹمٹماتا ہوا دیا منگایا، آنے والے نے جب دریافت کیا تو کہا کہ وہ بیت المال کا چراغ تھا، تم آپس کی باتیں کرنے لگے، اس لئے میں نے اسے گل کر دیا کہ اگر اس کی روشنی میں گھریلو باتیں کروں گا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا، ایسی احتیاط کے نمونے کہیں کریملن کے حدود میں نظر آ سکتے ہیں، یہ اخلاقی قدریں اور روحانی بلندیاں ان کے خیال میں نہیں آ سکتیں، وہ زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ سکتے ہیں، اور ان کے خیال کی پرواز یہیں تک محدود ہے کہ ہر انسان کو پیٹ بھر کھانا، دوا، اور رہنے کا مکان ہو، بیگار نہ لو، خواہشات کا احترام کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جو ایران اور رومن ایمپائر کی دو زبردست شہنشاہیوں کے زبردست فاتح تھے، ان کے زمانے میں قحط پڑا تو اچھی غذا اپنے اوپر حرام کر لی، وہ سرخ و سفید تھے، لیکن تیل کھاتے کھاتے ان کے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا۔

سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری

ہم سیدھی سادی بات یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستہ کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس بنیاد پر انسانوں کو انسانیت کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس کو سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری سمجھتے ہیں، ہم سے زیادہ کوئی اس کی خدمت نہیں کر سکتا، ہم مانتے ہیں کہ ملک کے لئے ایسے ادارے ضروری ہیں، جن سے ملک ترقی کرے ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، ملک کے لئے تعلیمی اداروں، شفاخانوں، صفائی کے محکموں کی ضرورت ہے، ملک کو رسل و رسائل، دفاع اور دوسرے محکموں کی ضرورت ہے، ان سب کے باوجود ملک میں ظلم، اندھیرا اور دوسرے کے پیٹ کاٹنے کا جو طاعون پھیلتا جا رہا ہے، اسے نہ روکا گیا تو اس کی عزت، اس کا وقار اس کی آزادی خاک میں مل جائے گی، ہم سب سے کہتے ہیں کہ یہ ملک کی سب سے پہلی ضرورت ہے وہ تمام ادارے جنہیں میں پہلے ضروری اور مفید کہہ چکا ہوں، سب اس کے بعد آتے ہیں، ہم اس حقیقت کے پرچار کے لئے گھر سے نکلے ہیں، کوئی اور اس کام کو کرتا ہوتا تو اس کے ساتھ تعاون نہ کرتے۔ (بقیہ صفحہ ۲۵)

مدارس کی حیثیت پاور ہاؤس کی ہے

ان کی خصوصیات کو ختم کرنے کی کوشش ایک سازش ہے

جناب ناظم ندوۃ العلماء کا ایک خطاب

ترتیب و پیشکش:— مولانا اقبال احمد ندوی

یہ وہ تقریر ہے جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے جامعہ ام سلمہ للبنات، فردوس نگر، تو پچانچی میں جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر مؤرخہ ۳ر اپریل ۲۰۰۴ء کو فرمائی، افادۂ عام کے لئے نذر قارئین کی جا رہی ہے۔ (ا.ا.ن)

اس وقت پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بلکہ خود انسانیت کے خلاف زبردست سازش چل رہی ہے، انسانیت کی قدروں کو ختم کیا جا رہا ہے، انسان دوسری مخلوقات پر انسانیت کی وجہ سے امتیاز رکھتا ہے، اس لئے سازش ہے کہ انسانی قدروں کو ختم کر کے انسان کو حیوان بنا دیا جائے، کتا اور بلی بنا دیا جائے، زبان سے یہ بات نہیں کہی جاتی، لیکن میڈیا کے ذریعہ جو حالات پیدا کئے جا رہے ہیں، ٹیلی ویژن پر جو مناظر دکھلائے جا رہے ہیں، سنیما گھروں اور کلبوں کے ذریعہ جس تہذیب اور کلچر کو عام کیا جا رہا ہے، ان سب کا نتیجہ یہی ہے۔ آزادی کے نام پر عورتوں کو بے حیا بنایا جا رہا ہے، ان کے کپڑے اتارے جا رہے ہیں، ان کو اپنی ہوس کا شکار بنایا جا رہا ہے، پہلے تو کوشش کی جاتی ہے کہ عورت پیدا ہی نہ ہو، اور اگر پیدا ہو جائے تو اس کو برہنہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور جن اداروں سے انسان بنتے اور ڈھلتے ہیں، جہاں اخلاق و شرافت اور عفت و عصمت اور نیکی و تقوی کی تعلیم دی جاتی ہے، انسانیت کا درس دیا جاتا ہے، انسانوں کو انسان بننا سکھایا جاتا ہے، انہیں الزام لگا کر ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، الزام اس لئے لگایا جاتا ہے تا کہ انہیں ختم کرنا آسان ہو، کیونکہ اس کے بغیر دشمن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مدارس پر الزام ہے کہ یہ دہشت گردی کے اڈے ہیں، اور خوف و ہراس پھیلاتے ہیں، لیکن اگر غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دہشت گرد ہماری عصری تعلیم گاہوں سے نکل رہے ہیں وہاں روزانہ ہنگامے ہوتے ہیں، لاٹھیاں چلتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، بم پھٹتے ہیں، اور ہمارے یہاں؟ ہمارے یہاں یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ ہم تو ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے مدارس کو رات اور دن میں کسی وقت بھی آ کر دیکھ سکتے ہیں، ان میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملے گی۔

اس وقت دنیا میں سب کے سر پر طاقت اور دولت کا بھوت سوار ہے، ہر آدمی یہی سمجھتا ہے کہ اصل کامیابی طاقت و دولت کے حصول میں ہے، یہ دو چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو انسان کامیاب ہے، اور پھر انہیں حاصل کر کے بجائے انسانوں کی بھلائی کے ان کی تباہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں ہمارے یہ مدارس جو انسانی قدروں کے تحفظ کا کام کرتے ہیں، بڑے غنیمت ہیں، اور لائق قدر ہیں، اور تحفظ وہی کر سکتے ہیں جن کی نظر میں انسانی قدروں کی اہمیت ہے، ہم ایسے مراکز اور ادارے قائم کریں جن میں دین و اخلاق اور انسانیت کا درس دیا جائے، اور انسانی قدروں کا تحفظ ہو، آپ کے اندر دین اور دینی باتوں کے سننے کا جو شوق ہے وہ اس لئے ہے کہ آپ کے بزرگوں نے آپ کی ویسی تربیت کی، اور اس بات کی فکر کی، اب یہ کام آپ کو کرنا ہے تا کہ آئندہ نسل مسلمان باقی رہے، دنیا میں ان کو بے دین بنانے کی جتنی سازشیں اور کوششیں ہو رہی ہیں، اگر ان کا توڑ نہیں کیا گیا تو ان کا مسلمان باقی رہنا مشکل ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم و أهليكم ناراً وقودها الناس و الحجارة﴾ ''کہ اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں۔'' (التحریم: ٦)

آج کالجوں، یونیورسٹیوں اور عصری تعلیم گاہوں میں جو تعلیم ہو رہی ہے اور میڈیا جو کام کر رہا ہے، وہ اللہ سے بغاوت کی تعلیم ہے، اور اس بات کی تعلیم ہے کہ انسان انسانیت اور انسانی قدروں سے عاری ہو جائے، یہ ایک سیلاب ہے جو تیزی سے ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے، سیلاب پر اگر بندھ نہ باندھا جائے تو سب کو غرق کر دیتا ہے، اس لئے جب کسی گاؤں میں سیلاب آتا ہے تو اس کو روکنے کی پورے گاؤں والے مل کر کوشش کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں اس سیلاب کو روکنے کی ضرورت ہے، اس سیلاب کو لانے کی بڑی کوششیں ہو رہی ہیں، اور بڑی طاقتیں کام کر رہی ہیں، یہ سیلاب دین دنیا دونوں کو بہا لیجائے گا، ہمیں اس کی فکر کرنی ہے کہ نئی نسل کیسی ہوگی، ہمارے راستہ پر ہوگی یا انسانی قدروں سے خالی ہوگی؟ درحقیقت یہ مدرسے ہی اس سیلاب کو روک سکتے اور اس پر بند باندھ سکتے ہیں، اس لئے یہ ہمدردی اور تعاون کے مستحق ہیں۔

مدارس پر ایک بڑا الزام یہ ہے کہ یہ ملا پیدا کرتے ہیں جو صرف اذان دے سکتے ہیں اور امامت کر سکتے ہیں، دنیا اور دنیاوی معاملات کی انہیں نہ سمجھ بوجھ ہوتی ہے اور نہ کوئی بصیرت، یہ اپنا اور اپنے بچوں کا ٹھیک سے پیٹ بھی نہیں پال سکتے ہیں، یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور حقیقت ناشناسی کی دلیل ہے، ہمیں اگرچہ ان جیسے سرپھرے دیوانوں اور ملاؤں ہی کی

ضرورت ہے تاکہ دین اور دین کا کام کرنے والے باقی رہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ سماجی علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں، انگریزی، معاشیات، اقتصادیات اور سیاسیات سارے علوم پڑھائے جاتے ہیں، مختلف زبانیں پڑھائی جاتی ہیں، کیا کمی ہے ان میں؟ مدارس دینی قدروں کے تحفظ کے لئے ہیں۔ اس وقت قادیانی اور عیسائی مسلمانوں کو مرتد بنا رہے ہیں، یہ مدارس ان کی روک تھام کر رہے ہیں، مدارس آپ کو زیادہ تعداد میں دکھائی دیتے ہیں، لیکن پھر بھی ضرورت کے اعتبار سے ان کی تعداد بہت کم ہے، ہمارے اس ملک میں ہزاروں مسلمان مرتد ہو گئے، ہم نے ان علاقوں میں خود جا کر دیکھا ہے، اس کے باوجود لوگ اعتراض کر رہے ہیں، آپ انہیں مدارس سے نکال کر وہاں لیجانا چاہتے ہیں جہاں انہیں انسان نہیں بلکہ مشین بنایا جاتا ہے، اخلاق و کردار سے عاری کیا جاتا ہے؟ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

ان مدارس کی حیثیت پاور ہاؤس کی ہے، جہاں سے دین کی روشنی ملتی ہے، اگر یہ نہ ہوں تو اللہ اور اس کے رسول کو کوئی کیسے جانے گا؟ دین کا تحفظ ان مدارس کے بغیر ناممکن ہے، دوسرے ملکوں میں جہاں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جن کی کتابوں سے ہم آج بھی استفادہ کرتے ہیں، لیکن مدارس نہ ہونے سے وہاں اب دین جاننے والا کوئی نہیں ہے، نام ان کا مسلمانوں جیسا ہے، لیکن نہ انہیں کلمہ یاد ہے اور نہ روزہ اور نماز، بس اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اس لئے ہم بھی مسلمان ہیں لیکن مسلمان کی شناخت کیا ہے؟ اور مسلمان کہتے کسے ہیں؟ اس سے وہ بالکل بے خبر ہیں، ایسا کیوں ہوا؟ ایسا مدارس کا وجود ختم ہو جانے سے ہوا۔ مدارس کو نشانہ بنانا اور انہیں ختم کرنا یہ بہت بڑی سازش ہے، اور اس کے دور رس نتائج ہیں۔ کیونکہ ہمارے دشمن جانتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کا تعلق دین سے باقی ہے اس وقت تک انسانوں کو اخلاق و کردار سے عاری اور ننگا کرنے کا جو کام کیا جا رہا ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا، اور ہم اپنی تخریبی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے، ان مدارس کا کام لوگوں کو ہدایت اور روشنی دینا ہے، اچھے اور برے کا فرق بتانا ہے، کیونکہ آج کل لوگ جھوٹ کو برا نہیں سمجھتے، چوری کو برا نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک چور وہ ہے جو پکڑا جائے، لہٰذا اچھے برے کی تمیز ختم کر دی جائے یہ ایک تحریک اور سازش ہے، اور یہ مدارس اس کے لئے سد سکندری کا کام کر رہے ہیں، مدارس کا نظام انسان کو انسان باقی رکھنے کے لئے اور دین سے ان کا تعلق جوڑنے کے لئے ہے، اس لئے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی تعلیم ضروری ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے دستور چلا آ رہا ہے کہ موجودہ نسل آئندہ نسل کی تربیت کرتی ہے مختلف مسلمان ملکوں میں یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اب وہاں کی جدید نسل اسلام کو نہیں جانتی، یہی ہمارے ملک میں ہونے کا خطرہ ہے، اسی لئے آئے دن مدارس میں دنیاوی علوم داخل کیے جانے کی وکالت کی جاتی ہے، تاکہ اگر کسی طرح ان مدارس کو ختم نہ کر سکے تو ان کی خصوصیات کو ختم کر دیں، دنیاوی علوم زیادہ سے زیادہ لا کر دینی علوم کو نکال دیں، اس لئے ہمیں ان مدارس کی قدر کرنی چاہئے، اور ان کا تعاون کرنا چاہئے، لیکن یہ کام لگنے سے اور کرنے سے ہوگا، صرف تمنا کرنے اور خواہش سے نہیں ہوگا۔ ☆☆☆

ضرورت ہے

ایک اقامتی جونیئر ہائی اسکول کے لئے ایسے ٹیچر کی جو ٹرینڈ اور تجربہ کار ہو اور انگلش، ریاضی، اور سائنس کے مضامین بخوبی پڑھا سکے، انتظامی صلاحیت رکھنے والے ایسے ٹیچر کو جو اردو بخوبی جانتا ہو اور متشرع بھی ہو ترجیح حاصل ہوگی، تنخواہ مع سہولت طعام و قیام -/3000 ماہانہ۔ اپنی درخواست مع نقول اسناد حسب ذیل پتے پر جلد روانہ کریں، فون نمبر بھی ضرور لکھیں۔

عزیز الحسن صدیقی

مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور 233001

فون نمبر: (0548)-2220640

ممبئی کی مشہور و معروف مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

- افلاطون ❖ نان خطائیاں
- ڈرائی فروٹ برفی
- قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
- بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
- دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
- کاجو کتلی
- ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص بتیسہ لڈو۔

و دیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

لذیذ مٹھائیوں کے لئے

طہورا سوئیٹس ®

بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸

☎ ۲۳۰۸۲۷۷۳۔۲۳۰۹۱۳۱۸

● ــــــ والدین کے ساتھ حسن سلوک

● ــــــ صلۂ رحمی

زیر طبع تالیف "ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں نظام معاشرت" کی ایک قسط

(امام بخاریؒ کی تصنیف "الأدب المفرد" کی اردو میں شرح و ترجمانی)

والدین کے انتقال کے بعد حسن سلوک

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین کے۔ صدقہ جاریہ (جیسے کسی نے مدرسہ بنایا، نہر کھدوائی، یتیموں کی نگہبانی کے لیے کوئی جائداد وقف کر دی جس سے فوائد ہمیشہ ہوتے رہیں گے، ایسا کام کرنے والے کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا) اور کسی کو پڑھایا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور وہ اولاد جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہوا اور اس نے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی ہے۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کا فائدہ اس کو پہنچے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی سفر میں تھا اور اس اعرابی کا باپ حضرت عمر ؓ کا دوست تھا۔ اس اعرابی نے کہا کہ تم فلاں کے لڑکے نہیں ہو؟ حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا کہ ہاں! تو حضرت ابن عمر ؓ نے اس کو ایک سواری دیئے جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اونٹ پر چڑھتے چڑھتے تھک جاتے تو کچھ راستہ خچر پر بیٹھ کر طے کر لیتے تھے جو اپنے ساتھ رکھتے تھے، وہی جانور اس بدو کو آپ نے دلوا دیا اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ کچھ لوگوں نے جو اُن کے ساتھ تھے کہا کہ اس شخص کے لیے دو درہم بہت تھا۔ تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنے باپ کے دوستوں کا لحاظ رکھو اور ان کے اس تعلق کو کاٹو نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تمہارے دل کی روشنی بجھا دے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام سعادت مندیوں سے بڑھ کر سعادت مندی (تمام نیکیوں سے بڑھ کر نیکی) یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں سے احترام کا تعلق قائم رکھے۔

جو شخص تمہارے والد سے برادرانہ تعلق رکھتا ہو اس سے تعلق منقطع نہ کرو۔ کیونکہ یہ بات تمہارے دل کی روشنی کو بجھا دیتی ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ الزرقی ؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد مدینہ منورہ کی مسجد میں حضرت عمرو بن عثمان ؓ کے ساتھ بیٹھے تھے، تو وہاں پر عبداللہ بن سلام ؓ اپنے بھتیجے کے کاندھے کا سہارا لیے گذر رہے تھے مجلس سے آگے نکل گئے، پھر لوٹ کر ان لوگوں کی طرف واپس آئے اور فرمایا کہ عمرو بن عثمان ؓ جو چاہے کرلو (یہ بات دو یا تین مرتبہ فرمائی) کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے محمد ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث کیا کہ یہ بات اللہ عزوجل کی کتاب (تورات) میں ہے (یہ بات دو مرتبہ کہی) کہ جس سے تمہارے والد اپنا تعلق رکھتے تھے اس تعلق کو مت توڑو ورنہ تمہارا دل بے نور ہو جائے گا۔

محبت وراثت میں ملتی ہے

حضرت ابوبکر بن حزم ؓ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات کافی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ محبت وراثت میں ملتی ہے۔

(اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے انتہائی دوستی یا محبت رکھتا ہے تو اس کی اولاد میں محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے گویا ایسی محبت اللہ کی طرف سے وراثت میں ملتی ہے، وراثت کا مطلب یہاں مال اور جائداد کا حصہ دار ہونا نہیں ہے)۔

کوئی شخص اپنے باپ کا نام لیکر نہ پکارے اور اس سے پہلے کسی مجلس میں نہ بیٹھے

حضرت ہشام بن عروہ ؓ اپنے والد یا اور کسی شخص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے دو آدمیوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک کے بارے میں پوچھا کہ یہ تمہارے کیا لگتے ہیں؟ اس نے کہا میرے والد۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا کہ ان کا نام لے کر مت پکارو، ان کے آگے مت چلو اور کسی مجلس میں ان سے پہلے مت بیٹھو۔

کیا کوئی شخص اپنے والد کو کنیت سے پکار سکتا ہے؟

حضرت عبید اللہ بن موہب شہر بن حوشب ؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم حضرت ابن عمر ؓ

کے ساتھ نکلے تو سالم نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمنؓ نماز کا وقت ہوگیا۔

(یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان کے بیٹے عبدالرحمن کے نام سے کنیت دیکر متوجہ کیا، عربوں میں آپس میں ادب واحترام کا یہ طریقہ ہے کہ کسی شخص کو مخاطب کرنے کے لیے بجائے اس کے کہ اس کا نام لیا جائے یہ کہا جائے گا "فلاں کے باپ" اور اگر کسی کا بیٹا نہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کسی مناسب نام سے کنیت کا اضافہ کرتے ہیں جیسے ابوصالح حالانکہ صالح کسی کا نام نہیں ہے بلکہ مخاطب کو یہ باور کرانا ہے کہ ہم تم کو ایک صالح آدمی سمجھتے ہیں۔)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے انھوں نے کسی واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ابو حفص عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا۔

باب: صلۂ رحمی کا واجب ہونا

حضرت کلیب بن منفعہؓ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس کے ساتھ حسن سلوک اور سعادت مندی کا تعلق رکھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی والدہ سے، اپنے باپ سے، اپنی بہن سے، اپنے بھائی سے اور اپنے رشتہ دار سے۔ (یعنی اسی ترتیب سے)

(درمختار میں ہے کہ رشتہ داری کا تعلق رکھنا واجب ہے خواہ اسی طرح کے آپس میں علیک سلیک کرلیا کریں، کوئی ہدیہ بھیج دیں، کسی موقع پر معاونت کریں، کبھی ایک ٹھکانے بیٹھے آپس میں باتیں کریں، خوش روئی اور خوش کلامی سے پیش آئیں اور اگر ایک دوسرے سے دور ہوں تو کبھی کبھی خط لکھ لیا کریں اور خود جاسکیں تو زیادہ بہتر ہے)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴)

"اور آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے"

تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے اور پکارا کہ اے آل کعب بن لوی اپنے آپ کو جہنم سے بچالو! اے عبدمناف کی اولاد اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو! اے اولاد ہاشم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو! اے اولاد عبدالمطلب اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو! اے فاطمہ بنت محمد ﷺ اپنے آپ کو آگ سے بچالے! کیونکہ اللہ کے حضور میرا کوئی بس نہیں چلے گا۔ اگرچہ تمہارے رشتہ کا حق ہے جس کی ادائیگی اور اس کو تر وتازہ رکھنا چاہتا ہوں۔

صلۂ رحمی

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا جب کہ آنحضرت ﷺ کہیں جا رہے تھے۔ بدو نے کہا کہ مجھے وہ بات بتایئے جو مجھ کو جنت سے قریب کردے اور آگ سے دور کردے۔ فرمایا: وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، کسی شے کو اس کا شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، اور زکاۃ ادا کرو، اور صلۂ رحمی کے حقوق ادا کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنی مخلوق پیدا کی اور جب اس کام سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہوا، تو فرمایا ٹھہرو! تو رحم نے کہا: یہ وہ مقام ہے جہاں قطع رحمی سے تیری پناہ طلب کی جاتی ہے فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میں اس سے تعلق جوڑوں جو تجھ سے رشتہ جوڑے اور اس سے تعلق منقطع کرلوں جو تجھ سے تعلق کو توڑتا ہے؟ تو رحم نے کہا ہاں یارب! فرمایا: تم کو مل گیا جو تو نے مانگا۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ۝ (سورہ محمد: ۲۲)

"سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ آیت کریمہ:

"وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (الاسراء: ۲۶)

"اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا۔"

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام حقوق کے درمیان جو سب سے بڑا حق ہے، اس سے بات شروع کی اور یہ دکھایا کہ اگر اللہ کے نزدیک کوئی شخص بہترین عمل پیش کرسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ رشتہ داری کا حق ادا کرے، اور بے سہارا شخص اور مسافر کی مدد کرے۔ اور یہ بھی بتلایا کہ اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو جس سے رشتہ دار اور مسکین ومسافر کی مدد کرے تو اللہ کی اس رحمت کی طلب میں جس کی وہ امید کرتا ہے ان سے شیریں کلامی سے پیش آئے، اور اچھے وعدے کرے گویا کہ وہ موجود ہے اور اس کو پورا کرادے گا۔ اور فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

(الاسراء: ۲۹)

"اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے (یعنی بخل مت کرو)"

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (الاسراء: ۲۹)

"اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے (یعنی بالکل ہی لٹانے پر نہ تل جاؤ)"

ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم تھک ہار کر بیٹھ جاؤ گے یعنی دوسرے مانگنے والے آئیں گے تو تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا تو وہ تم کو ملامت کریں گے۔

(آیت کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو بخل کرو اور نہ

اسراف سے کام لو، درمیانی حالت مناسب ہے۔)

رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں رشتہ داری کا حق ادا کرتا ہوں مگر وہ کاٹتے ہیں، میں ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کا برتاؤ کرتے ہیں، وہ ظلم وزیادتی کے ساتھ پیش آتے ہیں، میں صبر اور چشم پوشی سے کام لیتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر واقعہ یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو گویا کہ تم ان کے منہ میں خاک بھر رہے ہو۔ اور اللہ کی طرف سے ایک واقف کار پشت پناہ موجود ہے جب تک کہ تمہارا ایسی برتاؤ ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رحمٰن ہوں (بے انتہا رحم کرنے والا) اور میں نے "رحم" کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے، پس جس نے رشتہ داری کو جوڑے رکھا اس کو میں نے جوڑے رکھا، اور جس نے مقاطعہ کیا میں نے اس کا مقاطعہ کیا۔

حضرت ابوالعنبس کہتے ہیں میں عبداللہ بن عمروؓ کے پاس گیا وہ طائف میں تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمروؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی انگشت مبارک موڑ کر فرمایا کہ "رحم" رحمٰن سے مشتق ہے جو اس کو جوڑتا ہے اللہ اس کو جوڑتا ہے، اور جو اس کو کاٹتا ہے اللہ اس کو کاٹتا ہے۔ قیامت کے روز وہ منہ کھول کر اور صراحت کے ساتھ اپنا حق مانگے گا۔

حضرت عروۃ بن الزبیرؓ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "رحم" اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن سے مشتق ہے پس جس نے اس کو جوڑا اللہ نے اس کو جوڑا اور جس نے اس کو کاٹا اللہ نے اس کو کاٹا۔

صلۂ رحمی عمر بڑھاتا ہے

حضرت ابن شہابؓ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کے رزق میں وسعت دی جائے اور اس کو لمبی عمر دی جائے تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت دی جائے اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داری کا خیال رکھے (یعنی رشتہ داری کا حق ادا کرے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے)

جس نے رشتہ داری کا لحاظ رکھا اللہ نے اس کو اپنا محبوب بنالیا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رب سے ڈرتا ہے اور رشتہ داری کا حق ادا کرتا ہے تو اس کی عمر بڑھادی جاتی ہے، اور اس کے مال میں وسعت دی جاتی ہے، اور اس سے اس کے خاندان والے محبت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جو اپنے رب سے ڈرا اور اپنے رشتہ داری کا خیال رکھا، تو اس کی عمر بڑھادی گئی، اس کے مال میں وسعت دی گئی اور اس کے خاندان والوں نے اس سے محبت کی۔

زیادہ قریب پھر اس سے قریب رشتہ داروں کا حق ادا کرنا:

حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تم کو ہدایت کرتا ہے (عربی لفظ "وصیت" کرتا ہے) تمہاری ماؤں کے بارے میں۔ پھر ہدایت کرتا ہے باپ دادا کے بارے میں۔ پھر ہدایت دیتا ہے زیادہ قریب کے رشتہ داروں اور ان کے بعد جو ان سے قریب ہوں ان کا حق قرابت ادا کرے۔

حضرت ابوایوب سلیمانؓ جو حضرت عثمان بن عفانؓ کے غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ ایک روز جمعہ کی شب کو تشریف لائے اور فرمایا کہ میں ہر اس شخص کو تاکید کے ساتھ کہتا ہوں جو رشتہ داری کا حق کاٹنے والا ہے کہ وہ ہماری مجلس سے اٹھ جائے لیکن ان کے اس کہنے کے باوجود ہمارے پاس سے کوئی نہیں ہٹا، یہاں تک کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بات تین مرتبہ کہی تو ایک نوجوان وہاں سے اٹھ کر اپنی پھوپھی کے پاس آیا جس کو وہ دوسال سے چھوڑے ہوئے تھا تو ان کی پھوپھی نے پوچھا بچے تم کیسے آئے؟ (تم کو کون سی بات لائی اور تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟) تو اس نے کہا کہ میں نے ابوہریرہؓ سے سنا ہے وہ ایسا کہتے ہیں۔ ان کی پھوپھی نے کہا کہ واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ایسی بات انہوں نے کیوں کہی؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اولاد آدم کے اعمال ہر جمعرات کے دن شب جمعہ کو اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں تو رشتہ داری کے حقوق کاٹنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو کوئی شخص اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر دیتا ہے۔ اور شروع کرو اس شخص سے جس پر خرچ کرنا تمہارا فرض ہے (اس پر بھی خرچ کرتے وقت نیت کرلی جائے) اور اگر اس سے مال بچ گیا تو پہلے جو سب سے زیادہ قریب ہے ان پر خرچ کرو پھر اس سے زیادہ جو قریب ہے اس پر خرچ کرو (الاقرب فالاقرب) پھر بھی بچ جائے تو صدقہ کردو۔

سیرت نگاری اور اس کا ارتقاء

(ماہِ ربیع الاول کی مناسبت سے ایک خصوصی مضمون)

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

جہاں تک سیرت نگاری کا "ادبی پہلو" ہے تو ابتداءً یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریب دنیا بھر کی زبانوں میں "سیرت نگاری" نے اپنا ایک خصوصی منہج واسلوب پیدا کیا۔ جس میں ادب کی چاشنی اور پیش کاری کی عمدگی، دونوں باتیں عمدہ اور احسن طریقے پر موجود ہیں۔

علمائے ادب نے ادب کو "نظم ونثر" کی دو اقسام میں منقسم کیا ہے۔ جہاں تک سیرت نگاری کا تعلق ہے تو سیرت نگاری کے لئے علمائے کرام نے ہمیشہ ان دونوں طریقوں اور ذریعوں کا بھرپور استعمال کیا۔

جہاں تک نظم کا تعلق ہے تو نظم میں "سیرت طیبہ" کی پیش کاری کی مثالیں اور نمونے ابتدائی دور بلکہ عہد نبوی ہی سے موجود ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق جناب ابو طالب اور آپکے قابل صد احترام بیبیوں کے قصائد۔ پھر متعدد صوفی شعراء حضرت حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصائد اس کی عمدہ مثالیں ہیں تاہم بعد کے ادوار میں قصائد اور مجموعے مرتب اور مدون کئے گئے جن میں قصیدہ بردہ شریف اس کی نہایت اعلیٰ مثال ہے جس میں آنحضور ﷺ کی منقبت کے علاوہ آپ کی حیات مبارک کے اہم واقعات کو بھی موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مؤرخین نے صراحت کی ہے کہ سیرت کی سب سے بنیادی اور مشہور کتاب یعنی سیرت ابن ہشام کو نظم میں تین افراد نے پیش کیا جن میں سے ایک ابو نصر فتح بن موسیٰ الخضر وی القصری، (م ۶۶۳ھ/۱۲۶۴ء) دوسرے عبدالعزیز بن احمد، المعروف بعد الدیرینی (م ۶۹۷ھ/۱۲۹۷ء) اور تیسرے اسحاق الانصاری القصی تھے۔ مؤخر الذکر نے اسے لام کے قافیے پر مرتب کیا لیکن چونکہ یہ تمام کتابیں دست بردزمانہ کا شکار ہو چکی ہیں اس لئے انکے متعلق مثبت یا منفی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ عربی سمیت دنیا کی بہت سی زبانوں میں "سیرت نگاری" "نظم" کی صورت میں کی جاتی رہی ہے اور خصوصاً برعظیم پاک وہند میں اس کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

نثری سیرت نگاری

تاہم چونکہ سیرت نگاری کا اصل میدان نظم کے بجائے "نثر" ہے اس لئے نثر میں جو سیرت نگاری کی گئی ہے اس کا ادبی پہلو سے جائزہ لینا مناسب ہوگا اس سلسلہ میں ہم عربی اور اردو زبان میں مرتب شدہ مواد کو پیش نظر رکھیں گے۔

الف: ابتدائی دور

دوسرے علوم وفنون کی طرح "سیرت نگاری" کے فن کو بھی قرآن مجید کے فکری اور ادبی انداز سے رہنمائی ملی، قرآن حکیم میں "سیرت نگاری" کا جو اسلوب اور انداز اپنایا گیا ہے، افسوس کہ اس پر اہل علم نے کچھ زیادہ توجہ نہیں دی۔ حالانکہ اس کی آیات بینات میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت نگاری کے لئے عموماً اور نبی اکرم ﷺ کے حالات وواقعات بیان کے لئے خصوصاً جو منہج اپنایا گیا ہے، قرآن حکیم کے دوسرے معجزانہ پہلوؤں کی طرح یہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ جس طرح قرآن حکیم نے اپنے مخصوص انداز سے دنیا کے دوسرے علوم وفنون کو ایک نیا رنگ اور جدید آہنگ عطا کیا اسی طرح اس نے "سیرت نگاری" کا بھی ایک جچا تلا اور اپنا مخصوص انداز متعارف کروایا۔ قرآن حکیم نے مختصر مگر جامع ترین الفاظ سے جس طرح واقعات کو بیان کیا، اور جس طرح جچے تلے انداز میں حالات ووقائع کی منظر نگاری کی، وہ "سیرت نگاری" کے میدان میں اپنی مثال آپ ہے۔ غیر ضروری تفصیلات اور غیر متعلقہ باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ان واقعات کو نہایت خوب صورت اور نفیس طریقہ سے پیش کیا گیا ہے قرآن حکیم میں اگر "سیرت نگاری" کا اسلوب دیکھنا ہو تو انبیائے سابق کی سیرتوں کے ضمن میں سورہ یوسف اور سورۃ القصص کا اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے سلسلے میں سورۃ النجم اور سورۃ الضحیٰ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ،اول الذکر یعنی سورۃ النجم میں قرآن حکیم نے ایک معروف روایت کی رو سے واقعہ معراج کا تذکرہ کیا ہے، سبحان اللہ! اس کے لئے کیسا انداز اور کیسا اسلوب بیان اپنایا گیا یہ ایسا اسلوب ہے کہ انسانی عقل اور انسانی الفاظ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس مقام پر سفر معراج کا جو ایک پر اسرار سفر ہے، تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ موتیوں کا ایک ہار پرو دیا گیا ہے اور مفہوم اور معنی کا یہ عالم ہے کہ عالم ہوش ربا کی گویا منظر نگاری کی جا رہی ہے۔ پیغمبر ﷺ کے سفر کی انتہا کے لئے فرمایا: فكان قاب قوسينا أو ادنيٰ (پھر دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس بھی کم کا) اور جب پیغمبر عالم لاہوت میں بارگاہ قدسی میں پیش ہوتے ہیں تو شاہد و مشہود اور طالب ومطلوب کے مابین جو منظر تھا اس کا مشاہدہ کرانے کے لئے ارشاد فرمایا:

مازاغ البصر وما طغی (نہ تو نگاہ کج ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی) اور پھر جب یہ عابد ومعبود کے مابین جو سلسلہ تھا اور اختتام کو پہنچا، تو اس کی ترجمانی کے لئے فرمایا:

لقدرای من آیات ربه الكبریٰ (آپ نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دیکھیں) سبحان اللہ اس طرح کا زندہ جاوید اور روح پرور اور دل نواز وباصرہ نواز اسلوب اختیار کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہی زیب دیتا ہے۔ تاہم قرآن حکیم کے اس اسلوب نے مسلمانوں کے فکر وفن پر جو اثر ڈالا اور اس کے تحت مسلمانوں نے جس طرح اپنے علوم وفنون کو ترقی دی یہ موضوع انتہائی دلچسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

جہاں تک "فن سیرت نگاری" کا تعلق ہے تو ایک طرف مسلمان قرآن حکیم کی فصاحت وبلاغت کے انداز واسلوب سے متاثر تھے، تو دوسری طرف ابتدائی مسلمان اپنے دور کے انتہائی فصیح وبلیغ لوگ تھے۔ ان قدسی صفات لوگوں کی زبانیں، فصاحت وبلاغت کا منبع اوران کے دل، فطری انداز بیان کا مسکن تھے۔ یہ لوگ کھلے ماحول اور معاشروں میں رہتے تھے، اکثر وبیشتر سفر کرتے اور دوسرے قبیلے کے لوگوں سے میل جول اور ملاقات کرتے۔ اس لئے ان لوگوں کی زبان اوران کے انداز بیان میں انتہائی نکھار اور سلجھاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ لوگ سیدھے سادھے انداز میں اظہار خیال کرتے اور جب کسی کا وصف بیان کرتے، اوراس کے متعلق لوگوں کو بتاتے تو انتہائی مختصر اور جامع انداز اختیار کرتے۔ چنانچہ "سیرت طیبہ" کا ابتدائی مواد انہی لوگوں نے مرتب کیا اوراس فن کی باقاعدہ ابتدا کی۔

نہ جانے مستشرقین نے یہ بات کس بنا پر کہی ہے کہ "سیرت نگاری" کی ابتداء دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ ان صدیوں میں "سیرت طیبہ" پر بڑی اعلیٰ پائے کی کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں لیکن جہاں تک اس فن کی تاسیس کا تعلق ہے تو یہ اسی روز ہو گئی تھی جس روز آپ نے اعلان نبوت فرمایا تھا، چنانچہ جب آنحضور ﷺ پہلی وحی کا عمل کر کے اپنے گھر تشریف لاتے ہیں اور اپنی اہلیہ قدسیہ کے سامنے اپنی گھبراہٹ کا اظہار فرماتے ہیں تو وہ آپ کی تسلی وتشفی کے لئے فرماتی ہیں:

"ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے، مقروض کا بوجھ اٹھاتے، ضرورت مند کو کما کر دیتے، مہمان نواز اور مصائب پر لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں۔"

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ان الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کی چالیس سالہ مکی زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، مگر ام المومنین کا انداز واسلوب ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے کس طرح دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ پھر الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی بندش اور باہمی ترکیب ایسی ہے کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، یہی وجہ ہے کہ سیرت طیبہ پر آج تک جتنی بھی کتابیں تصنیف وتالیف کی گئی ہیں ان الفاظ کی خوشبو سے اس میں کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے اس لئے ہمارے خیال میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ دنیا میں پہلی سیرت نگار ہیں جنہوں نے جچے تلے انداز میں سیرت نگاری کی ابتدا کی۔ پھر جوں جوں اسلام کا نور پھیلتا گیا اور لوگ اسلام قبول کر کے دنیا وآخرت کی سعادتوں کو اپناتے رہے۔ سیرت نگاری کا یہ ذوق عام ہوتا چلا گیا۔ اسلام قبول کرتے ہی آنحضور ﷺ کی محبت ان کے دل ودماغ کو فتح کر لیتی۔ ان کے کردار واخلاق کا رنگ بدل دیتی تھی۔ لوگ آنحضور ﷺ ہی کے اخلاق وشمائل، عادات وخصائل آپ کی چال ڈھال، آپ کے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے کے انداز اور دوسری باتوں کو اپنی گفتگو کا موضوع ومحور بناتے، اور دوسرے لوگوں سے ان کا تذکرہ کرتے یوں اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ "سیرت نگاری" کا فن بھی ترقی کرتا چلا گیا اور چونکہ یہ لوگ پیدائشی طور پر شاعر اور خطیب ہوتے تھے اس لئے جو بات کرتے بڑے سلیقے سے کرتے تھے، اس لئے سیرت نگاری میں ادبی پہلو از خود شامل ہو جاتا تھا۔ اسی بنا پر جو صحابہ کرام جتنے قدیم الاسلام تھے اتنا ہی سیرت نگاری اور شمائل نگاری میں ان کا انداز بیان پختہ اور موثر ہوتا۔ چنانچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، ان کے صاحبزادے حضرت ابو ہالہ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت طلحہؓ وغیرہ جس طرح اسلام لانے میں پیش پیش تھے اسی طرح ان حضرات نے سیرت نگاری میں بھی اپنی قدامت کی شان برقرار رکھی۔ جبکہ انصار مدینہ میں سے حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ وغیرہ نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت نگاری میں نام پیدا کیا۔ یہ تمام لوگ فصاحت و بلاغت کا مجسمہ تھے، اسلئے انہوں نے "سیرت نگاری" میں بھی فصاحت و بلاغت کے اصولوں کا پوری طرح خیال رکھا۔

ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر جب بھی اظہار خیال کیا، ایجاز واختصار اور جامعیت کا ضرور خیال رکھا، اسی لئے ان حضرات کی "سیرت نگاری" مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامعیت والی شان رکھتی ہے، اوران حضرات کے اقوال کے مطالعے کے لئے خود اہل زبان کو بھی ڈکشنری کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

(ب) سیرت نگاری کا دوسرا دور

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا دور آیا تو "سیرت نگاری" کا یہ نور مزید پھیل گیا اسی دور میں اس عنوان پر تصنیف وتالیف کی ابتداء ہوئی، چنانچہ متعدد تابعین جن میں مثال کے طور پر حضرت ربان بن عثمان (۳۰-۱۰۰ھ/۶۵۰-۷۱۷ء) بروایت مغیرہ بن عبدالرحمان اور حضرت عروہ بن زبیر (۲۳-۸۴ھ/۶۴۳-۷۱۳ء) مخطوطہ ومطبوعہ نسخہ موجود ہے شرجیل بن سعد (م ۱۲۳ھ/۷۴۰ء) وھب بن منبہ (۳۴-۱۱۰ھ/۶۵۴-۷۳۸ء) حضرت عبداللہ بن ابو بکر، معمر بن راشد، ابو معشر السندی اور ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ/۷۴۱ء) وغیرہ کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے تاہم ان میں سے بیشتر حضرات کی کتابیں دست بردزمانہ کا شکار ہو گئی ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں اس عہد میں سیرت نگاری کے فن میں کئی ایک جہتیں اختیار کی گئیں، جن کی ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے۔ ابتدائی زمانے میں روایت پسندی کی پابندی کی بنا پر بڑی سختی سے روایت کے الفاظ وکلمات کا خیال رکھا جاتا ہے اور ایک روایت کے الفاظ کو دوسری روایت کے الفاظ کے ساتھ مخلوط نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے تو بڑا مفید تھا لیکن اس سے کسی واقعے کو سمجھنے اور اس کے متعلق کسی نتیجہ تک پہنچنے میں بڑی دقت پیش آتی تھی۔ اسی لئے اس زمانے میں کچھ تابعین نے جن میں امام ابن شہاب الزہری پیش پیش تھے، یہ طریق کار اختیار کیا کہ روایتوں کو باہم ملا کر ایک روایت بنا دی جاتی تھی، اس علمی پیش رفت نے "سیرت نگاری" کو ایک نئی جہت عطا کی اور اس فن نے ایک نئے میدان میں قدم رکھا۔ اس کے علاوہ پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نامور تابعی حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ/۷۳۸ء) کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ مسجد دمشق میں مناقب پر درس دیا کریں اس سے یقیناً اس فن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس میں عوامی رنگ پیدا ہونا شروع ہوا۔

تصنیف وتالیف کا دور

تاہم اس میں شک نہیں کہ اب تک جو کچھ بھی تھا وہ زیادہ تر زبانی وکلامی روایات کے مرہون منت تھا اس دور میں جن حضرات نے تصنیفی وتالیفی مجموعے مرتب کئے تھے، وہ زیادہ تر اپنی معلومات اور اپنی یادداشت کے لئے تھے مگر اب وقت آ گیا تھا کہ جو کچھ زبانی وکلامی طور پر روایت کیا جا رہا تھا اسے کتابی صورت میں مدون اور مرتب کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ/۷۶۸ء) اور موسیٰ بن عقبہ کو عطا کیا۔ نامور ماہر کتابیات حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے:

"سب سے پہلے اس عنوان پر محمد بن قاسم نے جو اصحاب مغازی کے سردار تھے کتاب مرتب کی۔"

ان کی کتاب بھی وقت کے ہاتھوں ناپید ہو گئی

شیخ احمد یاسین کی شہادت:

جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

☆ترتیب وپیشکش:——————☆نذر الحفیظ ندوی

[شیخ احمد یاسین کی شہادت نے پوری اسلامی اور عرب دنیا پر سکتہ کی سی کیفیت طاری کردی، عوام کے اندر اس واقعہ پر سخت جوش اور غصہ تھا، لیکن عرب حکومتوں کو سانپ سونگھ گیا، مصر نے ظالم اور مظلوم دونوں کو ایک ہی پلڑے میں رکھ دیا، تونس نے اس سے آگے یہ قدم اٹھایا کہ امریکی دباؤ سے عرب لیگ کا مجوزہ جلسہ ملتوی کردیا جو اس مسئلہ پر ہونے والا تھا، سرکاری اخبارات نے بھی گول مول رویہ رکھا، لیکن عوام اور ان کے جذبات کی محدود ترجمانی کرنے والے اخبارات ورسائل نے اس موضوع پر بہت کھل کر لکھا، شیخ یوسف القرضاوی نے شیخ احمد یاسین کو شیخ الانتفاضہ کے لقب سے یاد کیا، کویت کی اسلامی صحافت نے انھیں سید شہداء فلسطین اور المجاہد الامام جیسے الفاظ سے یاد کیا، کویت کی پارلیمنٹ میں سرکاری سطح پر قرارداد منظور کی گئی، اس سے پہلے اس موضوع پر بحث ومباحثہ بھی ہوا، مصر میں اخوان کے زیر اہتمام ایک عام تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مصر کے سرکاری حکام کو چھوڑ کر دینی اداروں اور سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی، حاضرین کی تعداد دس ہزار تھی۔۔ شیخ احمد یاسین کی شہادت کے بعد ان کے جانشین ڈاکٹر عبد العزیز رنتیسی کے ہاتھ پر حماس کے ارکان نے بیعت کی تھی، لیکن تازہ خبروں کے مطابق ان کو بھی شہید کردیا گیا ہے۔

تعمیر حیات کے اس شمارہ میں شیخ احمد یاسین کی شہادت، ان کی مقبولیت، قضیہ فلسطین پر اس کے اثرات، کیا حماس کی سرگرمیاں ختم ہو جائیں گی، اسرائیل پر حماس کے اثرات کیا پڑے۔۔ ان تمام موضوعات کا ہم نے ایک جائزہ عرب صحافت کی روشنی میں لیا ہے۔] (نذر)

☐ حماس کی تحریک شیخ کی شہادت کے بعد
☐ دونیم ان کی ٹھوکر سے صحراء ودریا
☐ خون شہیداں رنگ لائے گا ضرور

☐ نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
☐ آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے: (شیخ احمد یاسین)
(تحریر: ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

شیخ کی شہادت کی خبر سنتے ہی لاکھوں فلسطینی غزہ میں جمع ہو گئے، دس لاکھ سے زائد لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے، جب کہ فلسطین کے دوسرے حصوں میں ہر گلی کوچے اور سڑک پر احتجاجی مظاہرے ہوئے۔

تدفین کے فوراً بعد ڈاکٹر عبد العزیز رنتیسی کے ہاتھ پر حماس کے بنیادی ارکان نے بیعت کی۔

حماس کے ممتاز رہنما ڈاکٹر محمود الزھار نے شیخ کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ ستمبر میں بھی سازش ہوئی تھی مگر شیخ بال بال بچ گئے، اس حادثہ کا اندیشہ ہر وقت تھا، لیکن اس واقعہ کے بعد بھی ہم صہیونیوں کے خلاف جدوجہد سے باز نہ آئیں گے، جن ظالموں نے ان کو شہید کیا ہے انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی بہت بڑی قیمت ان کو ادا کرنی ہوگی، شیخ جیسے معذور ومفلوج انسان کا قتل صہیونیوں کی بزدلی، ناکامی اوران کی کمینگی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حماس کی تحریک شیخ کے بعد:

شیخ کی شہادت کے بعد فوری طور پر کوئی خلا پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی دشمنوں کی یہ توقع پوری ہوئی کہ حماس میں انتشار واختلاف ہو جائے گا، اور شیخ یاسین کو راستے سے ہٹا کر ہم ایسی قیادت لے آئیں گے جس سے ہم سودے بازی کرسکیں گے۔

حماس کی تحریک عالمی تحریک اخوان المسلمون کا ایک بازو ہے، فلسطین سے باہر بھی لبنان، مصر، اردن، شام، ایران، یورپ اور امریکہ میں اس تحریک کے قائدین موجود ہیں جو رہنمائی کرتے رہتے ہیں، جب شیخ یاسین قید وبند کی زندگی گذار رہے تھے تو خالد مشعل اور اسامہ حمدان لبنان سے، اور عماد العلمی طہران سے، فلسطینی سرزمین پر عبد العزیز رنتیسی اور ابراہیم مقادمہ اور انجینئر اسماعیل ابوشنب نے قیادت کی، موخر الذکر دونوں بعد میں شہید ہوئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حماس نے اپنے قیام کے بعد سے اپنا سیاسی بازو فوجی بازو سے الگ رکھا ہے حماس کی فوجی قیادت آزاد وخود مختار ہے۔ اس نے رفاہی اور تعلیمی شعبے الگ رکھے ہیں، مگر دعوتی شعبہ سب پر حاوی ہے اور یہی قیادت فراہم کرتا ہے۔ اسکی نگرانی براہ راست شیخ یاسین کیا کرتے تھے۔

سیاسی قیادت کو جیلوں میں بند کرنے کے بعد اسرائیل کو امید تھی کہ اب حماس کوئی کاروائی نہیں کرسکے گا، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی، آخری دس سالوں میں تحریک انتفاضہ کے درمیان عوامی سطح پر فوجی بازو کا قیام عمل میں آیا جس نے اپنے جرأتمندانہ اقدامات اور دشمن کی صفوں میں وسیع پیمانہ پر غیر معمولی نقصان پہونچانے کی وجہ سے افسانوی شہرت پوری دنیا میں حاصل کرلی، اس کے خودکش دستوں نے جہاد کی نئی تاریخ رقم کی، اور ایسا دلکش اور اچھوتا منظر پیش کیا کہ یہودی من حیث القوم گھبرا اٹھی۔

ہے۔ تاہم ان کی کتاب کو محفوظ کرنے کی سعادت عبدالملک بن ہشام الحمیری (م ۲۱۸ھ/۸۳۳ء) کو حاصل ہوئی۔ جن کی کتاب "سیرت ابن ہشام" کہلاتی ہے اور اپنی قدامت اور اپنے انداز بیان کے اعتبار سے دنیائے کتب میں ایک ممتاز اور منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس اہمیت کی پیش نظر علامہ عبدالرحمان السہیلی (م ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) اور علامہ بدرالدین محمود ابن احمد العینی (م ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء) وغیرہ نے اس کی شرح لکھی۔ ابن ہشام کے بعد متعدد لوگوں نے اس عنوان پر داد تحقیق دی اور اس عنوان کو بڑا قبول عام حاصل ہو گیا۔ اس دور کے دوسرے دو سیرت نگار بھی قابل ذکر ہیں۔ جن میں ایک الواقدی اور دوسرے ان کے شاگرد ابن سعد ہیں۔ مؤخر الذکر کی طبقات ابن سعد جس کی ابتدائی دو جلدیں سیرت طیبہ کے موضوع پر ہیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

اس تفصیل میں ہمارے مطلب کی بات یہ ہے کہ اس دور میں یہ تصنیف وتالیف کا کام جو بھی تشکیل پذیر ہوا ہے، اگرچہ روایت کے اصولوں کے تحت مرتب کیا گیا تھا مگر اس دور کی کتابوں کی "سیرت نگاری" میں فصاحت و بلاغت اور حکایت وروایت کی اعلیٰ ترین اصولوں کی پاسداری موجود تھی اس لئے اس دور کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لئے ڈکشنری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی وجہ ہیکہ اب ہشام کے مستند شارح علامہ السہیلی نے "سیرت ابن ہشام" کے مشکل الفاظ کی تشریح کو مستقل طور پر اپنایا ہے۔

بعد کے زمانے میں اگرچہ "سیرت نگاری" کا فن اپنے اس لگے بندھے طریقے سے جاری رہا، مگر پھر بھی بہت سی کتابیں ایسی مرتب کی گئیں جن کو بعد کے زمانے میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، جن میں مثال کے طور پر العسقلانی کی المواہب اللدنیہ اور الحلبی کی سیرت الامین والمامون وغیرہ کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

اردو میں سیرت نگاری کا ارتقاء

اردو زبان دنیائے اسلام کی ان زبانوں میں سے ایک ہے جن کی عمر بہت چھوٹی ہے مگر اپنے مواد اور کتابوں کے اعتبار سے دنیا کی سب سے متمول اور باثروت زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس کلیہ کا اطلاق "سیرت نگاری" پر مبنی ہوتا ہے۔ باوجود اپنی مختصر عمر کے اس زبان میں فن سیرت پر ایسی کتابیں تصنیف وتالیف کی گئیں کہ جن کی مثال عربی سمیت کسی اور زبان میں موجود نہیں ہے۔

اردو زبان میں ہماری کتب سیرت سے پہلے بے شمار مولود نامے، میلاد نامے اور نور نامے وغیرہ مرتب کئے گئے، جن میں موضوع اور کمزور روایات کی بھرمار ہوتی تھی۔ جس کی سید سلیمان ندویؒ نے سات وجوہ گنوائی ہیں۔ بہر حال وجہ خواہ کچھ تھی، ان مولود ناموں یا نور ناموں وغیرہ نے ہندوستان میں "سیرت نگاری" کے لئے موزوں ماحول تیار کیا، جس کے بعد یہاں بڑی معیاری کتابیں مرتب اور مدون کی گئیں۔

یہاں مرتب کی جانے والی تصانیف سیرت میں سے سینکڑوں کتابوں کے نام آتے ہیں، ان کتابوں کے معیار اور ان کا انداز تحقیق بھی محل نظر ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ مولود ناموں اور نور ناموں کی قسم کی کتابوں نے ایک خاص ادبی انداز پیدا کیا، چونکہ یہ کتابیں محافل میلاد میں پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔ اسی لئے ان کا انداز بیان بڑا شائستہ، الفاظ عمدہ، جملوں اور الفاظ کی ترکیبیں بہت موزوں ہوتی تھیں۔ اسی لئے اس فہرست میں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (م ۱۳۸۵ھ ۱۸۶۸ء) مولود شریف امام بخش ناسخ لکھنوی (تالیف ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) نواب محسن الملک (تالیف ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) رسالہ میلاد شریف مولوی غلام امام شہید الٰہ آبادی (۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء) مولود شریف شہید حکیم احسن امروہی (میلاد شریف طبع ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء) نواب صدیق حسن خان (الشمامۃ العنبریۃ تالیف ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) امیر مینائی (خیابان آفرینش) مولانا اشرف علی تھانوی (میلاد النبی۔ تالیف ۱۳۳۱ھ) خواجہ حسن نظامی (میلاد نامہ اور رسول نبیؐ) مطبوعہ ۱۹۳۳ء مولانا ابوالکلام آزاد (ذکریٰ مقالہ ۱۹۳۵ء) مولانا عبدالشکور لکھنوی (تحفہ عنبریہ ۱۳۹۷ھ) اور مولانا مناظر احسن گیلانی اور دوسرے اہل علم اور اہل قلم شامل ہیں۔ ان کتابوں کا ایک خاص ادبی انداز تھا جس پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ تاہم جب اردو میں باقاعدہ طور پر سیرت نگاری شروع ہوئی اور اس عنوان پر مستند اور محقق کتابیں تصنیف وتالیف کی جانے لگیں تو ان میں "ادبی پہلو" کو نظر انداز نہیں کیا گیا اس نہج کی تصانیف میں سرسید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) کی خطبات احمدیہ، علامہ راشد الخیری کی (۱۸۷۰-۱۹۳۶ء) آمنہ کا لال، لکشمن (۱۷۰۰-۱۷۷۳ء) کی عرب کا چاند، مرزا حیرت دہلوی کی سیرت محمدیہ (تصنیف ۱۸۹۵ء) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء) کی رحمت للعالمین اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی النبی الخاتم وغیرہ کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ جن میں سے ہر کتاب نے ایک خصوصی ادبی اور تحقیقی انداز متعارف کرایا۔ تاہم اردو میں جو شہرت اور ناموری علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب "سیرت النبی" کے حصے میں آئی اور اس کتاب نے جس طرح نہ صرف اردو زبان بلکہ دوسری معاصر زبانوں کے "سیرت نگاروں" کے ادب کو متاثر کیا اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

علامہ شبلی نے "سیرت نگاری" کے لئے جو ہلکا پھلکا اور تحقیقی انداز اپنایا اور جس کا ان کے شاگرد رشید علامہ سلیمان ندویؒ نے تتبع کیا اس نے اس میدان میں بڑے دور رس اثرات ونتائج پیدا کئے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کا اسلوب پختہ اور عالمانہ ہونے کے باوجود سادہ اور دلکش ہے اس میں قوت، جوش، خود اعتمادی، برتری، حمیت، متانت، ایجاز و اختصار، چستی، برجستگی، بے ساختگی اور شعریت پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب "خطبات مدراس" بھی سیرت النبیؐ کے عنوان پر بڑی اہمیت کی حامل ہے، پھر چوہدری فضل حق (۱۸۹۱ھ-۱۹۴۳ء) کی محبوب خدا، علامہ نور محمد توکلی کی (۱۹۴۸ء) کی سیرت رسول عربی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خطبات بہاول پور وغیرہ کتب بھی ادبی اور علمی پہلو سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

تاریخ تدوین سیرت

از۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

ملنے کا پتہ:

☆ دار العلوم سبیل السلام مدینۃ العلم، حیدرآباد۔۵

☆ مکتبہ ابوالحسن علی ۳۱۸۲ نظام الملک اسٹریٹ جامع مسجد، دہلی۔۶

صفحات ۲۰۸ قیمت: ۱۰۰ روپے

شیخ کی شہادت کے بعد حماس کا کیا ہوگا، اس سوال کے جواب میں غزہ کی اسلامی یونیورسٹی میں شعبہ سیاسیات کے پروفیسر ڈاکٹر عاطف نے کہا کہ گزشتہ سالوں میں حماس کو بڑے زبردست جھٹکے لگے، لیکن شیخ یاسین کی شہادت سے اس تحریک کو غیر معمولی نقصان پہونچا ہے، مگر حماس ایک خاص نظریے اور عقیدے کی تحریک ہے اس کا سرچشمہ قرآن مجید ہے، جس انسان کے پاس بھی قرآن جیسا لافانی معجزہ ہوگا اس کو قیادت کے میدان میں کبھی خلا کا احساس نہ ہوگا، حماس میں غیور مجاہدین اور روشن ضمیر قائدین کی بڑی تعداد ہے، شیخ یاسین نے انہیں سخت سے سخت حالات کا سامنا کرنے کی تربیت دے رکھی ہے، وہ جانتے ہیں کہ دشمنوں سے کس طرح نمٹنا چاہئے، ڈاکٹر عاطف نے حماس کی قیادت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ حماس کی سیاسی قیادت اور فوجی بازو دونوں کے درمیان زبردست ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دونوں الگ اور آزاد بھی ہیں، اگر اسرائیل سیاسی بازو کو قتل یا جیل میں ڈالدے گا تو پھر فوجی بازو سے نمٹنا آسان نہ ہوگا، اس لئے کہ جو مجاہدین تیار ہو رہے ہیں وہ صرف طاقت کی زبان جانتے ہیں۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

امریکہ نے یہودیوں کے مشورے سے یاسر عرفات کو ہیرو بنایا تا کہ ان کو فلسطینیوں کا سربراہ بنا کر سودے بازی کی جائے، چنانچہ مغربی میڈیا نے شروع سے ان کو طے شدہ منصوبے کے مطابق ہیرو کے طور پر پیش کرنا شروع کردیا، دوسری طرف انھیں عیسائی مبلغہ سہی الطویل کی صورت میں بیوی بھی دیدی تا کہ وہ متعین کردہ دائرہ سے باہر قدم نہ اٹھا سکیں، تیسری طرف عرفات کی کابینہ کے جو ارکان ان پر مسلط کئے گئے ان کی اکثریت عیسائیوں کی تھی یا ملحد بے دین اور بدکردار کمیونسٹوں کی، چنانچہ حکومت کی تشکیل کے بعد مغربی ملکوں اور امریکہ نے جو امداد دی اس میں خود عرفات اور ان کی کابینہ کے بیشتر ارکان نے گھپلے کئے چوتھی طرف ان بے ضمیر حکام نے حماس کی قیادت کے ممتاز ارکان کے نام اسرائیل کے حوالے کردیئے جس نے چن چن کر ان کو ختم کردیا یا جیلوں میں ڈال دیا، یاسر عرفات نے یہودیوں سے اتنی قربت ظاہر کی کہ ایک اسرائیلی وزیر اعظم نے ان سے کہا کہ آپ کے احساسات و جذبات سے ہمیں پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ آپ ہم یہودیوں سے بڑھ کر یہودی ہیں۔ لیکن مکمل سپردگی کے باوجود حماس کی تحریک نے عوام کے اندر اتنی جگہ بنالی تھی کہ وہ اسرائیل کی مدد کے باوجود اس پر قابو نہ پاسکے، دوسری طرف شیخ یاسین نے اپنے اصلاحی اور دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ اتنا بڑھالیا کہ بیشتر فلسطینی ان سے متعلق ہوگئے اور حکمراں قیادت کے احکامات ٹھکرادیئے، اس صورت حال سے مجبور ہوکر اسرائیل اور امریکہ دونوں نے یاسر عرفات کو نکال باہر کیا۔ ان کے بدلے احمد دحلان (بہائی مذہب) کو لائے لیکن وہ بھی نہ چل سکے تو احمد القریع کو انھوں نے مسلط کیا وہ بھی حماس کو نظر انداز کر کے کوئی اقدام نہیں کرسکتے، اس لئے اسرائیل نے شیخ یاسین کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ وہی حماس کے قائد تھے۔

اس میں شک نہیں کہ شیخ یاسین نہ صرف عالم عربی بلکہ پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک رمز بن گئے تھے فلسطین میں تو وہ ایسے ہیرو تھے کہ دس لاکھ سے زائد لوگ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔

شیخ کی اس غیر معمولی مقبولیت کے پیچھے ان کی غیر معمولی قربانی اور فلسطینیوں کے کاز کے لئے ان کی سرگرم جدوجہد اور مخلصانہ تگ و دو تھی۔

شیخ نے اپنی دعوتی زندگی کا آغاز تدریس اور تعلیم وتربیت سے کیا، اسکول میں پڑھانے کے بعد فلسطینی نوجوانوں کی ذہن سازی اور ان کی سیرت و کردار کی تشکیل کے لئے محض رضائے الٰہی کے لئے کوچنگ شروع کردی، مساجد سے اس کو مربوط کردیا، دوسری طرف انہی نوجوانوں کو انہوں نے اصلاح معاشرہ کے کام میں لگادیا۔

شیخ کی اصلاحی جدوجہد اور فلسطینی معاشرہ پر شیخ کے گہرے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے قریبی معتمد اور معاون شیخ زیاد کہتے ہیں کہ ہزاروں مقدمات جو برسوں سے عدالتوں میں باہمی نزاع کے چل رہے تھے شیخ کی وجہ سے لوگوں نے اٹھالیے اور شیخ کی بنائی ہوئی اصلاحی کمیٹی کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول کرلیا، عوام وخواص سب کو شیخ کے عدل وانصاف پر مکمل بھروسہ تھا، شیخ کے بڑے کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے شیخ نے فلسطینیوں کا رخ دین کی طرف پھیر دیا، ان کے باہمی تنازعات طے کرانے کے لئے اصلاحی کمیٹیاں بنادیں، شیخ حماس کی قیادت میں قلب کی حیثیت رکھتے تھے، مگر سماجی اور دینی پہلوؤں کو وہ بنیادی اہمیت دیتے تھے، سیاسی پہلوؤں پر بھی ان کی عقابی نظر تھی، وہ ہمیشہ سیاسی بیانات دینے میں بڑے محتاط تھے، اعتدال وتوازن کا خاص لحاظ رکھتے۔

شیخ کا گھر ہروقت کھلا رہتا، کوئی بھی شخص کسی وقت آسکتا تھا، شیخ سے ملنے پر کوئی پابندی نہ تھی کمزوروں، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کو اولین اہمیت دیتے اور بڑے اہتمام اور دلچسپی سے مسائل و مشکلات کو حل کرتے، صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ معاملہ خاص نہ تھا بلکہ عیسائی بھی شیخ پر بڑا اعتماد کرتے۔

رام اللہ شہر کے بسام رباح (عیسائی) کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۸ء میں ایک فلسطینی نے دھوکہ سے ہمارا مال لے لیا، اس نے جب ادائیگی میں ٹال مٹول کیا تو میں بلاتکلف شیخ کے پاس گیا، مجھے یقین تھا کہ شیخ اس فلسطینی سے ہماری رقم دلوادیں گے، وہ بڑا دولتمند بھی تھا، پھر بھی ہوا کہ لاکھوں کی رقم چند گھنٹے میں مل گئی، ہم نے شکریہ اور احسان مندی کے جذبہ سے اس میں سے ایک رقم غزہ میں مسجد کی تعمیر کے لئے دیدی۔

شیخ زیاد کہتے ہیں یہ ایک بار رمضان المبارک میں ہم لوگ تھکے ماندے افطار کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ عین اذان کے وقت ایک شخص پریشان حال آیا، ہم نے کہا کہ تراویح کے بعد آنا، شیخ نے مجھے تیز

نگاہوں سے دیکھا، فرمایا زیاد! تم تھک گئے ہو، گھر جاکر آرام کرو، پھر شیخ نے ایک گھنٹہ تک اطمینان سے اس کے مسائل سنے اور اسی وقت حل بھی کردیا، اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرنے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ دعوت کا کام اس طرح ہوتا ہے، فرمایا کہ جب تم داعی ہو اور اسلام کا پیغام پہونچانا ہے تو تم کو ایک مثالی انسان بننا ہوگا۔

دوسرا واقعہ شیخ کے معتمد نے یہ بیان کیا کہ ایک دولتمند شخص نے ایک خاتون سے نکاح کر کے اس کے سارے زیورات ہڑپ کرلئے، اس کو زدوکوب بھی کیا اور گھر سے نکال دیا، وہ شیخ کے پاس آئی، تو بذات خود وہیل چیئر پر شیخ اس شخص کے پاس گئے، وہ یہ دیکھ کر گھبرا گیا، شیخ نے فرمایا کہ یہ میری بیٹی ہے، اس کے ساتھ انصاف کرو اور کبھی ظلم نہ کرو، وہ شخص بہت متاثر ہوا اور شیخ کے نیازمندوں میں ہوگیا۔

شیخ زیادہ کہتے ہیں کہ اسرائیلی شیخ یاسین کی غیر معمولی اہمیت سے خوب واقف تھے، انھیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ شیخ جیسا مخلص قائد فلسطینیوں ہی کو نہیں پورے عالم عربی کو نہیں ملا ہے، ان کو معلوم تھا کہ شیخ نے منتشر فلسطینیوں کے شیرازہ کو یکجا کردیا ہے اور وہ سب ان کے چشم وابرو کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور کسی قیمت پر سودے بازی نہیں کرتے۔

زیاد کہتے ہیں کہ ایک بار اسرائیلی خفیہ پولیس نے مجھے بلوایا اور کہا کہ تمہارا حماس سے تعلق ہے، میں نے جواب دیا کہ میں صرف لوگوں کی مشکلات اور مسائل کو حل کرتا ہوں، ان میں اختلاف ہوتا ہے تو ان کے درمیان صلح کرادیتا ہوں۔۔ اس اسرائیلی افسر نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے، تم لوگ پورے فلسطینی معاشرہ پر چھائے ہوئے ہو تمہاری جڑیں بہت گہری اور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، یہ قوت تم کہاں سے حاصل کرتے ہو میں نے کہا قرآن مجید سے۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحراء و دریا

شیخ یاسین کی شہادت کے بعد اسرائیلی ایسے خوف زدہ ہوگئے کہ اخبارات کے کالم نگاروں اور ایسکے قارئین نے اس اقدام پر سخت تنقید کی اور لکھا کہ شارون کو اسرائیلیوں کی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں، بعض صحافیوں نے وزیر اعظم اور اسرائیلی جنرل موفاز کو چیلنج دیا کہ وہ کسی پبلک بس یا کسی قہوہ خانہ میں بغیر سکیوریٹی کے بیٹھ نہیں سکتے، بعضوں نے لکھا ہے کہ حیفا سے تل ابیب جانے والی ریل اور بڑے بازاروں ہر جگہ حماس کے مجاہدین کے نشانے پر ہے۔۔ شیخ کی شہادت کے بعد اسرائیلی خفیہ ذرائع کا کہنا ہے کہ حماس نے کم سے کم ساٹھ منصوبے حملے کے تیار کئے ہیں، انھیں وہ کسی وقت بھی نافذ کرسکتے ہیں، اس کا قوی اندیشہ ہے کہ بڑی شخصیتوں کو نشانہ بنائیں، اس لئے ایک ماہ گذرنے کے باوجود ابھی تک پورے ملک میں ریڈالرٹ ہے اندر اور بیرون ملک اسرائیلی و امریکی سفارت خانوں میں پہرے بڑھادیئے گئے ہیں۔

شیخ کی شہادت کے دو ہفتے کے اندر غیر ملکی سیاحوں کے نہ آنے کے سبب اسرائیل کو ایک سو چودہ ملین ڈالر کا خسارہ ہوا ہے، اس طرح اسرائیلی بازاروں میں خریداروں کی کمی کی وجہ سے پچاس فیصدی آمدنی کم ہوگئی۔

اسرائیلی اخبارات میں ایک ماہ کے بعد بھی مسلسل احتجاجی مقالات و مراسلات شائع کئے جارہے ہیں ایک اسرائیلی صحافی نے لکھا ہے کہ شیخ کے قتل کی بہت بڑی قیمت ہم کو چکانی پڑے گی اور ہم کو کسی خوش فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ فلسطینی مایوس ہوجائیں گے، وہ قیمت لے لیں گے اور ہم کو خواہی نخواہی دینا پڑے گا، ایک دوسرے اسرائیلی صحافی نے روزنامہ یدیعوت احرونوت میں لکھا ہے کہ شیخ کی شہادت سے فلسطینی اسرائیلی کشمکش اسلامی اور یہودی کشمکش میں بتدیل ہوگئی ہے، بالفاظ دیگر فلسطینی اب دینی جذبہ اور جہادی نیت سے یہ معرکہ لڑ رہے ہیں، اسی لئے اسرائیل کے بے پناہ مظالم و وحشت خوشی برداشت کر رہے ہیں اور حد یہ ہے کہ ۱۶/ سترہ سال کی نوجوان لڑکیاں اصرار کرتی ہیں کہ انھیں خودکش بمبار بننے کی اجازت دی جائے، جب بھی کسی خاندان کا کوئی فرد شہید ہوتا ہے تو سب لوگ اس کو مبارکباد دیتے ہیں اور خود گھر کے لوگ شہادت کے اس خلعت کو اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات میں سے شمار کرتے ہیں، اس حقیقت کا دشمنوں کو بھی اعتراف ہے، وہ کہتے ہیں کی ہر روز چار پانچ جنازے نکلتے ہیں، مگر آہ و بکا اور رنج و غم کا کوئی عکس فلسطینیوں کے چہروں پر نہیں ہوتا، جب کہ اس کے برعکس اسرائیلی اپنے مقتولین کی قبروں پر ہفتوں جاتے اور ان کا ماتم کرتے رہتے ہیں، انتفاضہ تحریک نے تو ان کے اندر قومی سطح پر غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں، ان غیر معمولی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے اسرائیلی دانشوروں نے لکھا ہے کہ اسرائیل کے عوام و خواص پر حماس کے خودکش بمبار دستوں کے حملوں کا بڑا گہرا اور دوررس اثر پڑا اتنا غیر معمولی کہ ان کی سماجی زندگی متاثر ہونے لگی، حماس کی کاروائیوں کے نتیجے میں اسرائیلی فوجیوں کے اندر اعصابی و نفسیاتی امراض کی کثرت ہونے لگی، وہ لازمی فوجی خدمت سے فرار اختیار کرنے لگے حتی کہ یہ نوبت آگئی کہ اسرائیلی ہوا بازوں نے فلسطینیوں پر بمباری سے انکار کردیا، دوسری طرف سب سے بڑی ضرب اسرائیل کی اقتصادی شہ رگ پر لگی، سیاحوں کی آمد ختم ہونے سے لاکھوں اسرائیلی بے روزگار ہوگئے، ذہنی اور اعصابی امراض کی وجہ سے طلاق کی کثرت ہوگئی، منشیات کا استعمال بڑھ گیا، خودکشی کی وارداتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا، پوری دنیا سے ہجرت کر کے اسرائیل آنے والوں کی تعداد ایک دم سے گھٹ گئی بلکہ اس کے برعکس ۲۵ فیصدی اسرائیلی دوبارہ واپس چلے گئے جب کہ انھوں نے دینی جذبہ سے ہجرت کی تھی۔ اسرائیلی جنرلوں اور سیاسی رہنماؤں، نیز یہودی مفکرین سب ہی حماس سے اتنے مرعوب ہیں کہ ہر وقت وہ ڈرے سہمے رہتے ہیں، جب شارون نے شیخ کو ختم کرنے کا منصوبہ کابینہ کے سامنے پیش کیا تو سب سے پہلے وزیر داخلہ اور وزیر انصاف نے اس کی مخالفت کی اور اس اقدام کے دوررس خطرناک نتائج سے متنبہ کیا۔

وزیر داخلہ یوراز نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اس کا رد عمل تباہ کن ہوگا اور بڑے پیمانے پر ہماری صفوں میں تباہی پھیلے گی جو بڑی بھیانک ہوگی، اسرائیلی وزیر انصاف نے کہا کہ شیخ یاسین تو ایک ٹائم بم تھے لیکن ان کے تیار کئے ہوئے مجاہدین ایسے ہیں جو پورے اسرائیل میں جہاں چاہیں بم باری کرسکتے ہیں، انھیں کوئی روک نہیں سکتا حالانکہ ہماری فوج کا تین حصہ اس کام کے لئے وقف ہے اور مزید حفاظت کے لئے دیوار برلن بھی تیار کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اشدود کا واقعہ کیسے ہوگیا، یہ جرت کی بات ہے، ساتھی ہی شارون کی ناکامی کی بھی، ایک سرکردہ اسرائیلی صحافی نے شارون پر الزام لگایا کہ ان کی حکومت ایسی اندھی ہے کہ وہ ایک میٹر سامنے کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتی اور اس کی عقل تو ایک گرام کے برابر بھی نہیں، شیخ کو قتل کرکے ہم نے انھیں ہیرو بنادیا ہے، اسرائیلی مبصر حماس کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حماس وہ تنظیم ہے جس کے قائدین کو سب سے زیادہ نشانہ اسرائیل نے بنایا مگر وہ ہمیشہ پہلے سے کہیں زیادہ طاقت کے ساتھ معرکۂ کارزار میں آتی رہی۔

شیخ کی آخری وصیت

حماس کے ایک ممتاز قائد شیخ اسماعیل نے انکشاف کیا کہ شیخ یاسین نے آخری گفتگو میں فرمایا کہ ہم نے فلسطینیوں کے مختلف گروپوں کے درمیان مصالحت کا جو منصوبہ بنا رکھا ہے اس کو آخری مرحلے تک پہونچانا ہے، آخری شب انھوں نے نوجوانوں کے ساتھ مسجد میں گذاری، ان کے ساتھ فلسطینی جوان تھے جو شیخ کی نصیحتوں کو بڑے اہتمام اور احترام و توجہ سے سن رہے تھے۔

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

(اپنی شہادت سے چند ماہ قبل شیخ شہید احمد یاسین نے عرب حکام اور قائدین کو ایک طویل ٹیلیگرام بھیجا تھا جس میں انھوں نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں ان مجرمانہ خاموشی اور اس کے دوررس سنگین نتائج سے خبردار کیا تھا لیکن کون سنتا ہے فغان درویش)

"آپ نے کبھی اس بات پر غور کرنے کی زحمت بھی گوارا کی کہ آپ کن حالات سے گذر رہے ہیں، میرا تو یہ حال ہے کہ میں ایسا بوڑھا، عاجز و درماندہ اور کمزور و ناتواں اور مفلوج ہوں کہ قلم تک میرے ہاتھ پکڑ نہیں سکتے چہ جائیکہ اسلحہ اٹھائے۔ نہ ہی میں شعلہ نوا خطیب اور مقرر ہوں کہ میری آواز ہر سمت گونجتی رہے۔ میں وہ انسان ہوں جس کو امراض نے توڑ کر رکھ دیا ہے، زمانے کے مصائب نے میرے وجود کو ختم کرکے رکھ دیا ہے، میرے بال سفید ہو چکے ہیں اور عمر کی آخری منزل میں ہوں۔ میرے اندر اتنی سکت نہیں کہ بغیر کسی کا سہارا لیئے ہوئے اپنی خاص ضرورتیں بھی پوری کرسکوں۔ لیکن اے عربو! کیا تم بھی میری طرح عاجز و درماندہ اور خستہ و ناتواں ہو، پامردی اور زندگی سے محروم؟۔ ہم پر مصائب کے جو پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، کیا یہ المناک سانحہ نہیں ہے کہ تمہارے دل کو وہ ذرا بھی متاثر نہیں کرتے؟ صورت حال تو یہ ہے کہ محض رضائے الٰہی کے لئے کوئی شخص بھی اٹھنے کے لئے تو کیا بولنے تک کے لئے تیار نہیں، اور نہ ہی امت کی عزت و خودداری پر آنچ آتے دیکھ کر تم میں ذرہ برابر غیرت و حمیت پیدا ہوتی ہے جو لوگ ہم کو نشانہ بنا رہے ہیں ان دشمنان خدا پر حملہ کرنا تو دور کی بات اس کے برعکس ہم مظلوموں کو قاتل اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا امت کو اس وقت بھی شرم نہیں آتی جب اس کی عزت و شرافت اور اپنی مقدسات پر حملے کئے جا رہے ہوں۔ ہم مظلوموں کے لئے آنسو کا ایک قطرہ بھی بہانے کے لئے تیار نہیں، ہمارے کاندھوں پر تسکین و تسلی کے لئے ہاتھ رکھنا بھی آپ کو گوارا نہیں، کیا عرب ملکوں کی حکومتیں سرکاری تنظیمیں، ادارے، انجمنیں، جماعتیں اور شخصیتیں اللہ کے لئے بھی اپنے غیظ و غضب ظاہر نہیں کرسکتیں، کم سے کم یہ ہوتا کہ سب مل کر مظاہرے کرتے اور ایک زبان ہو کر آواز لگاتے کہ اے اللہ ہماری صفوں کو متحد فرما، ہماری کمزوریوں کو دور فرما اپنے مومن بندوں کی مدد اور نصرت فرما۔ کیا آپ کے پاس کہنے کے لئے یہ الفاظ بھی نہیں۔

آپ ہمارے لئے دعا بھی نہیں کرسکتے اس سے بھی آپ گئے گذرے ہوگئے؟ (واضح رہے کہ فجر کی نمازوں میں قنوت نازلہ کے اندر دشمنان خدا کے لئے بددعا کرنے سے بھی عرب حکام نے ائمہ مساجد کو روک دیا اور علمائے کرام نے اس کے مطابق فتوے دیے۔)

یاد رکھئے آپ لوگ بہت جلد سن لیں گے کہ ہمارے مجاہدین نے اپنے رب کے حضور جان کے نذرانے پیش کئے، لیکن کس حالت میں ہم ایسی حالت میں جان دیں گے کہ ہماری پیشانی پر لکھا ہوگا ع

اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ہم نے دشمنوں کے مقابلے میں پیٹھ نہیں پھیرا۔ ہم شہید ہوئے تو ہمارے ساتھ ہمارے کمسن اور معصوم بچے بھی تھے، ہماری مائیں اور بہنیں اور بیٹیاں بھی تھیں، ہمارے بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ ہم نے ان سب کو ایک ایسی قوم کے لئے ایندھن بنادیا جو غفلت اور جمود و تعطل کا شکار ہو چکی تھی۔

آپ ہم سے یہ امید نہ رکھئے کہ ہم دشمنوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے، یا سفید پرچم لہرا دیں گے، اس لئے کہ ہم نے مرنا سیکھا ہے، قرارداد اور تجاویز پاس کرنا ہم کو نہیں آتا، ہم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہم بہت جلد مر جائیں گے، اگر ایسا ہو جائے تو آپ سے صرف یہی گذارش یہ ہے آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیں کہ کم از کم مجاہد کی طرح ہم عزت و آبرو کے ساتھ اس دنیا سے سرخرو ہو کر جائیں۔

اگر آپ ہمارا ساتھ دینا چاہتے ہیں تو آسکتے ہیں، ایسی صورت میں آپ میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہوگا کہ وہ دشمنوں سے انتقام لے یا راہ خدا میں شہادت کا خلعت پہن لے۔

آپ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ ہماری موت کا تماشہ دیکھیں اور توفیق ہو جائے تو دعائے خیر میں یاد رکھیں لیکن ہم کو پورا یقین ہے کہ آج نہیں تو کل وہ دن آئے گا جب اللہ تعالیٰ اپنی امانت میں خیانت کرنے والوں سے پورا انتقام لے گا، جن لوگوں نے امت کے حق میں مجرمانہ کوتاہی کی ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑے گا۔ ہماری آپ سے صرف یہ گذارش ہے کہ ہمارے خلاف آپ کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ ہم آپ کو قسم دلاتے ہیں کہ ہمارے خلاف ظلم و زیادتی سے کام نہ لیں حکام سے بھی یہی درخواست ہے اور رہنماؤں سے بھی۔

اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار صرف تجھ ہی سے شکایت ہے، تجھ ہی سے میں اپنی کمزوری، ناتوانی، عاجزی، بے تدبیری، بے سروسامانی اور ذلت و خواری کا شکوہ کرتا ہوں، میرے مالک! تو ہی ہم کمزوروں کا سہارا ہے، تو ہمیں کس کے سپرد کرتا ہے، کسی ایسے دور دراز شخص کے جو ہمارے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے، یا کسی ایسے دشمن کے حوالے کردے گا، جس کو تو نے ہمارے معاملات کا اختیار دے رکھا ہے، اے ارحم الراحمین، تو ہی کمزوروں کا رب ہے، تجھ ہی سے شکوہ ہے، کتنے خون تیری راہ میں بہائے گئے ہیں عفیف و پاکدامن خواتین کی عزت لوٹی گئی، بچے بچیاں یتیم و بے سہارا ہوگئیں، عورتیں بیوہ ہوگئیں، مائیں اپنے بچوں سے محروم ہوئیں، آباد گھر بلڈوزروں سے مسمار کردیے گئے، ہرے بھرے کھیت اور سرسبز و شاداب باغات جلا دیے گئے، اے میرے پروردگار! تجھ سے اور صرف تجھ سے شکوہ ہے، ہماری صفوں میں سخت انتشار اور انارکی ہے، ہماری جماعتوں میں اتحاد نہیں، صفیں کج دل پریشاں، سجدہ بے ذوق، کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے، ہم ایک قوم و ملت ہیں لیکن ہمارے راستے الگ الگ ہیں، اختلافات نے گھن کی طرح ہمیں اندر سے کھالیا ہے، یہ امت عاجز و درماندہ، ناتواں اور کمزور ہے، اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ہمارے دشمن ہم پر غالب آ رہے ہیں۔

انما اشكو بثي و حزني إلى الله

خونِ شہیداں رنگ لائے گا ضرور

﴿من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه، فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا﴾

آج فلسطینی مجاہدین کی تحریک حماس ہی نہیں پورے فلسطین بلکہ پوری امت مسلمہ نے اپنے ایک مایۂ ناز فرزند اور عظیم سپوت کو رخصت کیا ہے جو جسمانی اعتبار سے تو مفلوج و کمزور تھے لیکن جو صبر و ثبات اور عزم و استقلال کا پیکر تھا، یہ مخلص اور نڈر سپاہی اور اپنے وقت کا سب سے بڑا مجاہد شیخ احمد یاسین کی شخصیت تھی جنھوں نے اپنی پوری زندگی دعوت اور جہاد کے لئے وقف کر رکھی تھی، وہ صرف اس لئے زندہ رہے کہ اپنے ملک و وطن کو صیہونی ظالموں اور غاصبوں کے پنجے سے آزاد کراسکیں، اس عظیم اور بلند مقصد کے لئے انھوں نے جہادی تحریک حماس کی بنیاد رکھی، اس راہ میں انھیں قید و بند کی دشواریوں اور دار و رسن سے بھی گذرنا پڑا، لیکن اس مرد مجاہد نے یہ زمانہ پورے صبر و ضبط، استقلال و پامردی اور ثابت قدمی سے گذارا، ان کے پائے ثبات میں کسی مرحلے میں بھی ادنی لغزش یا کمزوری و نرمی نہیں آئی انھوں نے روز اول ہی سے اپنے نصب العین کو طے کرلیا تھا کہ ہر قیمت پر غاصبوں سے اس ملک کو آزاد کرنا، پوری قوت اور جرأت سے ان پر وار کرنا کہ یہ ظالم و غاصب اس ملک سے نکل جائیں اور ہر قیمت پر فلسطینی بھائیوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔

یہ انسان بڑا عظیم اور غیر معمولی قوت و تاثیر کا مالک تھا حالانکہ وہ جسمانی اعتبار سے اتنا مفلوج تھا کہ خود سے وہیل چیر کو بھی حرکت میں نہیں لاسکتا تھا جب تک کہ کوئی معاون نہ ہو، مگر اس کی ایک آواز پر لاکھوں لوگوں کے اندر حرکت پیدا ہو جاتی تھی، اس مرد خدا کا نام سن کر باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا، بڑے بڑے اسرائیلی جنرل اور وزرا اس کا نام سن کر تھرانے اور کانپنے لگتے تھے اس کی طاقت کا راز اس ایمان میں پوشیدہ تھا جو کمزوروں اور بے سہاروں کو پہاڑوں سے زیادہ استقلال و ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔

جن سنگین اور غیر معمولی حالات میں شیخ احمد یاسین کی شہادت کا واقعہ پیش آیا وہ عجیب و غریب تھے، شیخ فجر کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے، ان کے ہمراہ آٹھ دوسرے حضرات تھے، وہ سب کے سب شہادت کے خلعت سے سرفراز ہوگئے، شیخ کے دو جوان بیٹے بھی جاں بحق ہوگئے، اس غیر معمولی المیہ اور سنگین سانحہ سے پوری ملت کو جو سبق ملتا ہے وہ ہم سب کے لئے باعث عبرت و موعظت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ شیخ کی زندگی کی آخری تمنا اور ان کی دلی مراد شہادت کا حصول تھا، وہ تو اپنی مراد ایسے ہی پاگئے جیسے ایک مخلص مجاہد کی دلی آرزو اور آخری تمنا ہوا کرتی ہے وہ یہ کہ اس کی حیات مستعار کا خاتمہ شہادت پر ہو۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

شہادت سے بڑھ کر بھلا کون سی چیز قیمتی ہوسکتی ہے، وہ افضل ترین انعام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مخلصوں بندوں کو دیا کرتے ہیں۔

شیخ کو اگر اپنی زندگی عزیز ہوتی اور وہ امن و سلامتی کے متلاشی ہوتے تو وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے بجائے کسی محفوظ پناہ گاہ میں نماز پڑھتے، یا نمازوں کی جگہ تبدیل کردیا کرتے، مگر وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو ترجیح دیتے اور اسی پر اصرار کرتے پھر ہوا بھی یہی کہ وہ جب نماز پوری کرچکے اور اپنے پروردگار کو راضی کرلیا تو باوضو ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے
سو اس عہد کو ہم وفا کرچلے

ہماری بھی دلی تمنا و آرزو اور آخری دعا یہی ہے کہ ہمارا بھی خاتمہ شیخ احمد یاسین کی طرح شہادت پر ہو، آمین

شیخ کی شہادت سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ فلسطینیوں کی تحریک جہاد میں کمزوری کے بجائے قوت و سرگرمی آئے گی، شارون اور اس کے ٹولے کو یہ خوش فہمی ہے کہ شیخ کے بعد حماس میں اختلاف ہوگا اور قیادت کے مسئلہ میں انتشار پیدا ہو جائے گا، لیکن اس کے برعکس

فلسطینیوں کی صفوں میں مزید اتحاد پیدا ہوگیا ہے، جہادی تحریک چلانے والوں کے اندر آگ لگ گئی ہے، یہ آگ مزید شعلہ فشاں ہو جائے گی، اس لئے کہ شیخ نے اپنے پیچھے ایسے ہزاروں مجاہدین چھوڑے ہیں جو جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں، فلسطینیوں کی تمام تنظیمیں شیخ کا انتقام لینے کے لئے متحد ہوگئی ہیں، خاص طور سے قسام کا شہیدی دستہ، قدس کی جماعت مجاہدین، شہدائے اقصی کا دستہ، ابوعلی مصطفیٰ کا بریگیڈ، اور عوامی محاذ کا جتھہ یہ سب متحدہ قوت بن گئے ہیں، اور مجرموں، قاتلوں اور سفاکوں سے انتقام لینے کے درپے ہیں، شیخ یاسین کا خون انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا، یہ واقعہ اسرائیل اور اس کے حلیفوں کے ظلم و بربریت کے خاتمہ کا ذریعہ بنے گا۔

﴿وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون﴾

اسرائیل نے تحریک انتفاضہ کو ختم کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر فلسطینیوں کا قتل عام کیا، بچوں اور عورتوں کو نشانہ بنایا، ان کے گھروں کو بلڈوزر سے مسمار کیا، سرسبز و شاداب کھیتیوں اور باغات کو جلادیا، اس نے لبنان میں ابو یوسف نجار اور ان کے رفقاء کو قتل کیا، تونس میں ابوجہاد اور ابو یاد کو تہ تیغ کیا، فلسطین کی سرزمین پر یحییٰ عیاش، فتحی الشقاقی، ابوعلی مصطفیٰ، صلاح الدین، ابو اسماعیل ابوشنب اور اردن میں عزالدین قسام کو قتل کیا اور نہ معلوم کتنے مجاہدین کو اس نے شہید کردیا، لیکن

بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

تحریک جہاد میں مجاہدین کے پاک خون سے زندگی اور قوت پیدا ہوتی رہی، ان میں پہلے سے کہیں زیادہ جہاد کا جذبہ کمسن بچوں اور نوجوانوں لڑکیوں تک میں پیدا ہو چکا ہے، نوجوانوں کے سروں میں شہادت کا سودا سمایا ہوا ہے اور سرفروشی کی تمنا انگڑائی لے رہی ہے —— ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلمان کسی فرد یا کسی شخصیت کے لئے جہاد نہیں کرتا بلکہ وہ ایک متعین اور واضح نصب العین اور اصول و عقیدہ کے لئے جان دیتا ہے، اسی لئے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں انبیائے کرام اور ربانی و حقانی علماء نے جہاد کیا اور کسی مرحلے میں سنگین ترین حالات میں بھی انھوں نے ادنیٰ کمزوری نہیں دکھائی انہوں نے ہمیشہ پامردی اور جان فروشی سے کام لیا، بلکہ شہادت کی جاں فزا خبر سن کر ان کو اپنا سر وبال دوش معلوم ہونے لگا۔

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوے دوست
اس نوید جاں فزا سے سر وبال دوش ہے

فلسطینیوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ ان میں پیدائش کا تناسب دنیا کی تمام دوسری قوموں سے زیادہ ہے، ایک شخص اگر مرتا ہے تو اس کی جگہ دس پیدا ہوجاتا ہے، جہاد کا پرچم ان کے ہاتھوں سے کبھی گرتا نہیں، قدیم عرب شاعر نے صدیوں پہلے اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”اگر ہم میں کوئی سردار مرجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے، شرفاء اور مردان کار کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں وہی کر گذرتے ہیں۔“

اسرائیل مسلسل ظلم و سفاکی اور بربریت کا مرتکب ہو رہا ہے، انسانوں، کمسن بچوں، عورتوں بوڑھوں اور معذوروں کے علاوہ سرسبز و شاداب باغات اور آباد کھیتیوں کو بھی جلانے سے باز نہیں آتا، گھروں کو بلڈوزروں سے مسمار کرنے سے نہیں چوکتا، بندوق کی گولیوں اور سنگینوں کے نوک پر زمینوں کو ہڑپ کرلیتا ہے، اس کا آخری بھیانک اور سنگین ترین جرم یہ ہے کہ اس نے ایک مفلوج و مشلول اور کمزور ترین انسان کا قتل ناحق کیا، اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ظالم کا ظلم حد سے تجاوز کرگیا ہے، یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ سرکشوں اور ظالموں کا خاتمہ اب قریب ہے ﴿فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شئی، حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتة فاذا هم مبلسون، فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدلله رب العالمین﴾

☆اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے اصل مجرم امریکی صدر بش ہے جس نے جرم ہی نہیں انسانی جرائم کے ارتکاب پر شارون کو ابھارا اور مہلک ترین اسلحہ فراہم کیا، شارون تو قتل کا ذریعہ بنا، اس کی سفاکیت اور بربریت عالم آشکارا ہے۔

☆ پانچویں حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں وہ صرف اور صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے، ہم پچاس سال سے اس کا تجربہ کر رہے ہیں کہ جو چیز بزور قوت لی جاتی ہے وہ قوت ہی کے بل پر واپس لی جاتی ہے نہ کہ تمناؤں اور سنہرے خوابوں سے —— اب جہاد کے سوا ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں۔

☆اس شہادت سے یہ سبق ملتا ہے کہ فلسطینیوں کے تمام بازوؤں کو دشمنوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار بن جانا چاہئے، آج احمد یاسین کو نشانہ بنایا گیا ہے، کل عرفات اور احمد القریع کی باری ہوسکتی ہے، ہمارا دشمن اتنا کمینہ، خسیس اور بدفطرت ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کے وجود ہی کو ختم کرنے پر کمربستہ ہے۔

☆ ساتواں سبق عربوں کو یہ ملتا ہے کہ انھیں اب ہوش میں آنا چاہئے، انھیں یہ حقیقت سمجھ لینا چاہئے کہ اب شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپا کر حقائق کو ٹالا نہیں جاسکتا ہے، وہ اپنے غاروں سے نکل آئیں اور اپنے اسلحہ اور مال سے فلسطینی بھائیوں کی مدد کریں ورنہ زمانہ بڑا بےرحم ہے وہ کسی کو معاف نہیں کرتا اب الگ تھلگ بیٹھے تماشہ دیکھنے کا وقت نہیں رہا۔

یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ ۱۹۴۸ء میں عرب لیگ نے فلسطین کے قضیہ میں سرگرم دفاعی کردار ادا کیا تھا جب کہ اس کے قیام کو محض تین سال ہوئے تھے اور ان کے ارکان کی تعداد سات تھی، اب پچاس سال بعد جب کہ ان کے ارکان کی تعداد بیس ہو چکی ہے، دولت اور اسلحہ سے بھی وہ مالا مال ہیں، انھوں نے اپنے فلسطینی بھائیوں کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑ دیا ہے، وہ گولیاں کھا رہے ہیں اور عرب اپنے ایرکنڈیشن کمروں میں بیٹھے زبانی جمع خرچ سے بھی گریز کر رہے ہیں۔

☆اس واقعہ سے اٹھواں سبق عالم اسلام اور پوری امت مسلمہ کو ملتا ہے، وہ یہ کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ آپ کو دن رات میں پانچوں وقت پکارتا ہے جب مسجدوں کے مناروں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے یہ پکار ہم کو ہمارے فرائض یاد دلاتی ہے کہ یہ سرزمین ہمارا قبلہ اول رہا ہے، یہیں سے ہمارے آخری نبی معراج کے سفر پر تشریف لے گئے تھے، یہ بابرکت سرزمین ہے، یہ آواز ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جب صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا تو اس قبضہ کو ختم کرنے کے لئے عمادالدین زنگی، نورالدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی اور ظاہر بیبرس نے بلالحاظ مسلک و ملک اور قومیت کے متحد ہوکر بیت المقدس کو آزاد کرانے میں تن من دھن سے حصہ لیا اور سب سیسہ پلائی دیوار بن گئے، آج بھی شیخ کی شہادت سے ہمیں یہیں پیغام ملتا ہے کہ ہم سب اپنی صفوں کو متحد کریں، پوری دنیا میں احتجاجی مظاہرے کریں، احتجاجی ٹیلیگرام تمام ملکوں کے سربراہوں کو بھیجیں۔

ہم تمام عرب اور اسلامی دنیا کے تمام مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے فلسطینی بھائیوں کی جدوجہد میں دامے، درمے، قدمے سخنے مدد کریں، ہمارے لئے حرام اور ناجائز ہے کہ ہم شکم سیر ہوکر کھائیں میٹھی نیند سوئیں اور ہمارے فلسطینی بھائیوں کو روٹی کا ایک ٹکڑا نصیب نہ ہو، ان کے بچے اور عورتیں قتل کی جائیں، ان کے گھر مسمار کئے جائیں اور ہم زبانی ہمدردی سے بھی گئے گذرے ہوگئے۔

☆نواں اور آخری سبق کا تعلق آزاد دنیا کے شریف انسانوں سے ہے، ان تمام انسانوں سے جنھوں نے عراق کے خلاف امریکی و برطانوی یورش کے خلاف زبردست مظاہرے کئے اور لاکھوں کی تعداد میں انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، اسی طرح ہم اقوام متحدہ، سلامتی کونسل انسانی حقوق کی تنظیموں اور بین الاقوامی عدالت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کریں، اور صہیونیوں کو چنگیزیت اور بربریت سے روکنے کی کوشش کریں۔

آخر میں ہم صہیونیوں سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ تم نے جو جرم کیا ہے اس کو کوئی معاف نہیں کرسکتا، لیکن اس بھیانک جرم کے اندر ہمیں امید کی کرن دکھائی دیتی ہے، شر سے بھی خیر پیدا ہوتا ہے، جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے، آج کے ساتھ کل لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو اتنا موقع دیتا ہے کہ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب ہم اس کی گرفت سے باہر ہوگئے، لیکن وہ پھر ایسا پکڑتا ہے کہ اس کے قبضے سے نکل جانا ممکن نہیں ہوتا، ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے، اب نئے دور کا آغاز ہے، یہ صدی ظالموں اور غاصبوں کے چنگل سے آزادی کی صدی ہے۔

وکذلك اخذ ربك اذا اخذ القرى
وهى ظالمة، انه اخذه اليم شديد☆

نقوش سیرت ﷺ
از
مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ملنے کا پتہ:-
MAKTABA AI-HASANI
Maulana Abul Hasan Ali
NadwiMemorial Centre,First
Floor, A.N.S. Plaza,Beside
Mallepally Mosque.
HYDERABAD-500001 (A.P.)

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)
کے زیر اہتمام
جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیراعظم
پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی
کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز
□ برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول
گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا —— و
□ برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
سلطانیہ روڈ، نئی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا
□ اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔
□ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔
منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی و ناظم اعلیٰ)
فون: 2642715 ,0091-755-2543466

علم و آگہی

انسانی دنیا پر عربوں کے عروج کا اثر

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی

آج سارے عالم میں غلغلہ ہے کہ مغربی تہذیب حریت، اخوت اور مساوات کی ترجمان ہے اور سارے عالم میں پہلی بار فرانسیسی انقلاب نے اعلیٰ اجتماعی اور انسانی قدروں کو ۱۸ویں صدی عیسوی کے آخر میں پیش کیا ہے جان جوک روسو نے اپنی کتاب آزادی میں پہلی بار ان اعلیٰ اصولوں کو پیش کیا ہے اور اس نے اپنی کتاب کو شروع ہی ان الفاظ سے کیا ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر آج ہر جگہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

افسوس ہے مغربی تہذیب کے پرستاروں اور نئی تہذیب کے ترجمانوں پر کہ انھوں نے بڑا سطحی مطالعہ انسانی تہذیب کا کیا ہے۔ انھوں نے یہ حقیقت محسوس نہیں کی کہ اسلام نے ان اعلیٰ اصولوں اور انسانی زندگی کی ان عظیم قدروں کو چودہ سو برس قبل پیش کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اعلان فرمایا تھا کہ:

"تمام انسان اس طرح برابر ہیں جیسے کنگھی کے دانے اور کسی کو کسی دوسرے شخص پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں واضح اعلان فرمادیا اور انسانیت کا منشور نشر کر دیا جبکہ آپ نے ایک لاکھ صحابہ کے مجمع میں جبل رحمت سے بآنگ دہل فرمایا۔

"کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

تعجب ہے کہ ان نظریات کی گونج یورپ تک نہ پہونچی ایسے اعلیٰ اصول جنھوں نے عربوں کی کایا پلٹ دی، صدیوں کے جہل کو کائی کی طرح چھانٹ دیا اور سارے انسانوں کو برابر قرار دیا اور ایسا معاشرہ پروان چڑھا جس میں عربی و عجمی، اسود و احمر سب ایک ساتھ زندگی گزار رہے تھے جہاں نسلی امتیاز کو اہمیت حاصل نہ تھی، جہاں بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ سب ایک ہی مجلس میں نشست و برخواست رکھتے تھے جہاں صرف اسلام پر عمل کرنے اور خدا و رسول کی رضا جوئی کا ایک جوش و جذبہ کارفرما تھا۔ جہاں اسلام کے مشن کو عام کرنے اور اسلام کے پیغام کو ساری انسانیت تک پہونچانے کی ایک دھن تھی انسانوں کے درمیان مساوات اور اخوت عام اسلام کا اصل مشن تھا صحابہ کرام نے اس راہ میں بڑی جدوجہد کی۔ تعجب ہے کہ یورپ والوں نے اسلامی معاشرہ میں نماز کی امامت میں مساوات کا بھی مطالعہ نہیں کیا حتی کہ خود ہندستان والوں نے بھی کہ جہاں ذات پات نے خود مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جبکہ نماز کی امامت میں صرف تقویٰ اور علم کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اور یہ اصول اس لحاظ سے سارے مسلمانوں میں رائج ہے۔

آزادی اور حریت کا چاند اصلاً جزیرۃ العرب میں طلوع ہوا اور آزادی کی روشنی جہاں جہاں پہونچی وہ اسی راستے سے پہونچی۔ یورپ نے ثابت کردیا کہ اس کے پاس اعلیٰ اصول مساوات، اخوت اور انسانیت کے اعلیٰ اصول موجود نہیں اس نے دو عالمی جنگیں لڑ کر انسانیت کی روح کو مجروح کردیا۔ لاکھوں خاندانوں کو تباہ کردیا امریکہ نے جاپان پر ایٹم بم گرا کر چند منٹوں میں تہذیب و تمدن اور انسانیت کا صفایا کردیا، ہیروشیما اور ناگاساکی آن کی آن میں ناپید ہوگئے یورپ نے گذشتہ عالمی جنگ میں انسانوں کا قتل عام کیا اور اپنی طاقت مسلط کر کے ان کو صدیوں تک غلام بنا کر ان کے اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے افراد کو قتل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے اندر انسانیت اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کی کمی ہے۔ اس نے اپنی جنگی طاقت سے انسانیت کو غارت کرنے والے اسلحوں سے اور کمزوروں کو غلام بنا کر ان پر ظلم کر کے اور ان کا استحصال کر کے ثابت کر دیا کہ وہ انسانی جانوں سے مادی فوائد کے لئے کھیلتے ہیں امن کی حالت میں وہ فسق و فجور کی محفل گرماتے ہیں، فحاشی کے اڈے قائم کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہیکہ اس تہذیب نے حریت کا نام سنا ہی نہ تھا جب اس نے اسلام کی روشنی دیکھی، اندلس میں اس وقت انھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حریت اور مساوات کسے کہتے ہیں اور انھوں نے اس سے نفع اٹھایا، اہل یورپ نے تہذیب کا سبق مسلم اسپین سے سیکھا ہے انھوں نے تمدن کی اعلیٰ قدریں عربوں سے حاصل کیں اور جس وقت تمدن مسلمانوں میں اپنے اعلیٰ معیار میں پہونچ گیا تھا۔ یورپ جہالت کے اندھیرے میں بھٹک رہا تھا۔ یہ احسان ہے عربوں کا کہ اس نے یورپ کو مہذب بنایا اسکو مساوات اور حریت کا درس دیا، عالمی اخوت اس کو سکھائی اور آج یورپ کی تہذیب کی اعلیٰ انسانی قدریں عربوں کی تہذیب سے خوشہ چینی پر مبنی ہے۔

عربوں نے اس طبقاتی نظام سے انسانوں کو نجات دلایا جس میں مذہبی طبقہ انسانوں پر ظلم کرتا تھا۔ پادریوں نے ایک کروڑ تیس لاکھ سائنس دانوں کو مذہبی عدالت کی سزا پر قتل کرڈالا یا جلا ڈالا۔

جہاں تک یورپ کا روسو کے اس قول سے خوش ہونے کا سوال ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر آج وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ دراصل یہ قول حضرت عمرؓ کا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ تاریخی جملہ اس وقت کہا تھا کہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبید نے ایک گھوڑ دوڑ کے معاملے میں ایک قبطی کے گھوڑے کو روک لیا تھا تاکہ وہ ان سے بازی نہ لے جاسکے۔ اور اس قبطی کی انھوں نے پٹائی بھی کردی۔

اس طرح قبطی ہار گیا اور عبید جیت گئے۔ قبطی مصر سے مدینہ پہونچا اور حضرت عمرؓ کے دربار میں شکایت کی، حضرت عمرؓ نے باپ اور بیٹے دونوں کو طلب کیا حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ان کا لڑکا ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اس موقع پر حضرت عمرؓ نے قبطی کو طلب کیا اور فرمایا کہ تو اس عزت والوں کی اولاد کی پٹائی کر۔ اس نازک موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے کیسے لوگوں کو غلام بنالیا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

حضرت عمرؓ کا یہ قول نہایت معنیٰ خیز ہے ایک طرف انھوں نے قبطی کے ساتھ انصاف کر کے مساوات کا اعلیٰ سبق دیا اور دوسری طرف یہ اعلان کر کے کہ سارے انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور کسی حاکم یا بادشاہ یا صاحب اقتدار کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان کو غلام بنائے، اسلامی تمدن کو ایک عظیم انسانی و اسلامی اصول سے آگاہ کردیا۔

جہاں تک سائنس، علم الحساب، علم النجم، جغرافیہ، فلسفہ اور طب وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ سارے علوم یورپ میں عربوں نے پھیلائے، یورپ میں عمارتیں عربوں کے فن تعمیر کو ملحوظ رکھ کر ہوئیں ان کے کنگورے، کبی، مینار یں، عربوں کے فن تعمیر سے مستعار ہیں، فرانس کے طرز تعمیر بھی پر عربوں کے اثرات مرتب ہوئے۔ اہل یورپ اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اندلس جاتے تھے اور مسجد قرطبہ میں بیٹھ کر درس لیتے تھے۔ ابن سینا کی کتاب القانون سارے یورپ میں پڑھائی جاتی تھی۔ عربوں کا اصل احسان سائنس پر اور سارے عالم پر یہ ہے کہ عربوں نے تجربہ گاہیں قائم کیں اور تجربی طریقہ اختیار کیا۔ یونانی اہل علم مفکر تھے مگر تجربہ نہ کرتے تھے جبکہ عربوں نے تجربہ گاہیں قائم کیں، رصد گاہیں بنائیں، بغداد میں عربوں نے پہلی مرتبہ اسپتال بنایا عربوں نے علم الحساب میں اضافہ کیا۔ یونانی فلسفے کی شرحیں لکھ کر اس میں اضافہ کیا، عربوں نے یونان اور ہندوستان سے صرف علوم نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان میں اضافہ کیا اور اس کو یورپ تک پہونچایا۔ افسوس کہ یونانیوں نے اپنے محسنوں کے نام چھپائے مگر عربوں نے اپنے محسنوں کے نام واضح طور پر بیان کئے یہ ان کی محسن شناسی کی بات ہے علمی دیانت داری برتی مثلاً طب عربی طب یونانی کہلاتی ہے، عربوں نے گنتی ہندوستان سے لی تو اس کو وہ "الارقام الہندیہ" کہتے ہیں جبکہ یونان نے سمیری تہذیب اور فرعونی تہذیب سے اپنے تمدن کا دیا روشن کیا تھا مگر اس کو ظاہر نہیں کیا یورپ نے تمدن اور سائنس کی ترقی عربوں سے لی مگر اس میں ہلاکت اور فحاشی جیسے عناصر شامل کردے۔ عربوں نے عالمی تمدن پر یہ احسان کیا کہ انھوں نے یونانی کتابوں کے ترجمے عربی میں کرائے پھر امتداد زمانہ سے وہ کتابیں غائب ہوگئیں اور ان میں بہت سی کتابوں کے اصل یونانی نسخے ناپید ہوگئے۔ مگر ان کا علم دنیا کو عربی ترجمہ سے ہوا۔ یورپ کی شاعری میں قافیہ نہیں ہوتا تھا۔ عربوں نے یورپ کو قافیہ عطا کیا اور موسیقی میں بھی انھوں نے عربوں سے استفادہ کیا۔ یورپ نے مدتوں عربوں سے استفادہ کو چھپایا مگر فرانسیسی محققین اور مستشرقین نے اعتراف کیا اور اس موضوع پر کتابیں لکھ کر حقیقت کو ظاہر کردیا۔ ادریسی نے سب سے پہلے دنیا کا صحیح نقشہ بنایا حاصل یہ کہ عربوں نے سارے عالم کو اپنے علم و فضل سے مستفید کیا اور اس طرح انھوں نے عالمی ترقی و تہذیب کی بنا ڈالی۔

☆☆☆

اعلان مفقود الخبر

مقدمہ ۳/۲۵۹

مدعیہ:۔ شمیم ناز بنت حافظ عبدالقدوس ساکن منڈارہ ڈاکخانہ منڈارہ آنا پور ضلع الٰہ آباد یوپی

بنام

مدعی علیہ شیخ الیاس ولد شیخ صدیق ساکن سرکھیر پور ڈاکخانہ آندھیاری ضلع الٰہ آباد یوپی

اطلاع بنام مدعی علیہ

مقدمہ ھذا میں مدعیہ شمیم ناز بنت حافظ عبدالقدوس ساکن منڈارہ ڈاکخانہ آنا پور ضلع الٰہ آباد یوپی نے آپ مدعی علیہ شیخ الیاس ولد شیخ صدیق ساکن سرکھیر پور ڈاکخانہ آندھیاری ضلع الٰہ آباد یوپی کے خلاف غائب ہونے نیز نان ونفقہ و دیگر حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کے بناء پر مرکزی دارالقضاء ندوۃ العلماء لکھنؤ میں نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ کیا ہے اس نوٹس کے ذریعہ آپ (مدعی علیہ) کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مورخہ: ۱۴ر ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۵ر مئی ۲۰۰۴ء بروز بدھ بوقت تین بجے دن مرکزی دارالقضاء ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں حاضر نہ ہونے کی صورت میں مقدمہ یکطرفہ طور پر فیصل کیا جاسکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی
دارالقضاء اتر پردیش

سماج کی تعلیم و تربیت پر ایک بہترین کتاب

سماج کی تعلیم و تربیت

مغربی تجربات — اسلامی تصور

از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی

مقدمہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ذیلی عنوانات پر مشتمل یہ کتاب سماج کی تشکیل پر بحث کرتی ہوئی تعلیم و تربیت کی نفسیات کے تمام زاویے روشن کرتی ہے۔

سماج کی تشکیل اور اس کی تعلیم و تربیت میں مغرب کا جو طرز فکر و عمل رہا ہے اس پر نقد کرتے ہوئے صحیح اسلامی تصور پیش کیا گیا ہے۔

مزید برآں اصول تعلیم، اصول تربیت اور اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات، تعلیم و تربیت میں مساجد کا کردار بیان کرتے ہوئے ذرائع ابلاغ، سماج پر مذہب اور مختلف نظریات کے اثرات، قدیم و جدید سماج کے تقاضوں کے فرق کو واضح کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ان تمام عوامل کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی شکل میں سماج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

نہایت دلنشین اسلوب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ہر فرد کے پڑھنے کے لائق، فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت وطباعت .... قیمت -/45

ملنے کا پتہ:

مکتبہ اسلام

محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ یوپی

درود وسلام

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

وہ تبسم لبوں پر سراپا بہار
وہ تکلم کہ جیسے گلوں کا نکھار
کھل گئی جو کبھی زلف بھی ایک بار
ہوگئی پھر ہوا اور فضا مشک بار
جس کی ہر سانس پر ہے تصدّق مشام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

وہ رسولوں میں آخر جو مُرسل ہوا
جس پر قرآن سارا منزل ہوا
جس کا ہر لفظ وجملہ مُدلّل ہوا
دین اسلام جس پر مکمل ہوا
ہوگئے جس پر دین و شریعت تمام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

تھا جہاں بحر ظلمات میں تہ نشیں
لات وعُزّیٰ کے آگے پڑی تھیں جبیں
اس پر صدقے دیا ہم کو دین مبیں
اس نے بخشی ہمیں ایک شرع متیں
جس نے سب کو بتایا حلال وحرام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

بات مانی جنھوں نے ستائے گئے
آگ کے فرش پر کچھ لٹائے گئے
کھینچ کر کچھ سر دار لائے گئے
حق کی آواز پھر بھی لگائے گئے
تھے خبیبؓ اور خبابؓ جس کے غلام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

وہ صہیبؓ اور سلمانؓ ویاسرؓ بلالؓ
زیدؓ وعمارؓ بھی خوش خیال وخصال
جن کو حاصل یقیں تھا تمام وکمال
جن پہ قربان شاہی جمال وجلال
ہیں اسی کے سبھی خو بر ومشک فام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

جن کی کوشش سے بادِ بہاری چلی
جن سے ہر شاخ گلشن کی پھولی پھلی
چٹکی اسلام کی جن سے ہر ہر کلی
وہ ابوبکرؓ و فاروقؓ وعثمانؓ ، علیؓ
جس کے ادنیٰ غلام فاتحِ مصرو شام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

فاطمہؓ پیاری بیٹی، حسینؓ وحسنؓ
پارۂ دل جگر گوشہ جزوِ بدن
جن سے آراستہ ہے نبیؐ کا چمن
ہیں چمن کے گل ولالۂ ونسترن
ایک ہے سیفِ حق ایک صُلح تمام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

وہ دیارِ نبی رشکِ ارض وسما
پاک جس کی زمیں پاک جس کی فضا
جس کا شیریں ہے پانی معطّر ہوا
خاک کو جس کی کہتے ہیں خاکِ شفا
شوق ہے اس کی جانب چلوں تیز گام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

رشک تجھ پر ہے مجھ کو بہت اے صَبا
تو مدینہ کو جاتی ہے صبح ومسا
ایک میں ہوں سراپا گناہ وخطا
کاش مجھ کو بھی حاصل ہو خاکِ شفا
میرے لب پر یہی رات دن صبح وشام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

آتشِ شوق ہے تیز سے تیز تر
میں ہوں گرم سفر ہر نفَس ہر نظر
ہے حسیں رہ گزر عشق ہے راہ بر
روضۂ پاک ہے منزل معتبر
میری قسمت کہ ہوں زائر وہم کلام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

دیر سے کہہ رہی ہے درود وسلام
آگیا اے زباں فدویّت کا مقام
اب نبی مکرّم کا لے پاک نام
ہاں مگر با ادب اور صد احترام
جس کے صدقے میں عالم کا سارا نظام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

وہ حبیب خدا، طاہر ومصطفےٰ
قاسم وحامد وجیہ ومرتضےٰ
صادق ورحمت وطیب ومجتبےٰ
طٰہٰ، یٰسین، مکی وہ خیر الوریٰ
وہ شفیع ومنیر وشہید وامام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

وہ حجازی، تہامی، یتیم وغنی
وہ رؤف وبشیر ونذیر ونبی
وہ رسول ومذکر امیں ہاشمی
وہ ہے اُمّی لقب اَبطحی، متقی
جس کے محمود، احمد محمدؐ ہیں نام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

❀ ❀ ❀

ہماری دعوت

ہم علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں حصہ رسد بٹانے نہیں آئے تھے، ہم ان ملکوں کو چھوڑ کر جو خود دولت سے بھرے ہوئے تھے، یہاں کی دولت میں حصہ لگانے نہیں آئے تھے، ہم ایک مشن، ایک خدمت پر آئے تھے، ہم یہاں خدا کے بندوں کو خدا کا بندہ بنانے آئے تھے، یہاں جو مسلمان آئے تھے، وہ اخلاق، محبت، خدا پرستی کا پیغام لے کر آئے تھے، انہوں نے اس ملک کو کچھ دیا لیا نہیں، وہ یہاں سے کچھ لینے نہیں آئے تھے، اس کو کچھ دینے آئے تھے وہ رہنے آئے تھے، یہاں سے جانے کے لئے نہیں آئے تھے، اگر ایسا سوچتے تو تاالہ کی ایسی شاندار و پائدار مسجد نہ بناتے، وہ تو خدا پرستی اور انسان دوستی کی دعوت دیتے تھے، کہاں کے عرب، کہاں کے عجم، یہ سب ہماری بنائی ہوئی خود ساختہ حدیں ہیں، ساری دنیا کے پیدا کرنے والے خالق و مالک اور رازق اور ساری دنیا کو بغیر شرکت کے چلانے والے ایک اللہ کی طرف سے وہ یہ تعلیم لائے تھے، انہوں نے دنیا سے لئے بغیر ساری دنیا کی خدمت کی، انہوں نے سچے موتیوں سے انسانیت کی جھولی بھر دی اور اپنے ہاتھ خالی رکھے، اپنے بچوں کی مطلق فکر نہ کی اور اپنے کنبے کی طرف سے آنکھیں بند کر کے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر لوگوں کی سیوا کی، ان کی تکلیفوں کو راحتوں سے بدلا، جو آیا غرباء میں تقسیم کیا، ضرورت مندوں کی جھولیاں بھریں، انہیں خادم اور ملازم دیئے اور اپنے بچوں کو بالکل محروم رکھا، ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ چٹائی پر لیٹے تھے، جسم پر نشانات پڑ گئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا اللہ اکبر! آپ اللہ کے رسول ہو کر اس تکلیف میں رہیں، اور دنیا کا خون چوسنے والے ظالم قالینوں اور مسہریوں پر آرام کریں، آنحضرتؐ نے فرمایا، عمر! عیش تو آخرت کا عیش ہے۔

مسلمانوں کی غلطی

ہم مسلمانوں سے کڑوی بات کہتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں، تم نے ان باتوں کو مانا ہے، تمہارا ان پر ایمان ہے، تم ان اخلاق و کردار کو چھوڑ کر جانوروں کی سطح پر آگئے، تم اپنے کردار اور عمل سے اسلام کو بدنام کرتے ہو، اس کے روشن نام کو بٹہ لگاتے ہو، تم دنیا کو اسلامی زندگی کی جو چلتی پھرتی فلم دکھلا رہے ہو، وہ بڑی افسوسناک ہے، تم نے جو زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے، اس میں کون سی جاذبیت ہے، پہلے تم جس راہ سے گزر جاتے تھے، نقش چھوڑ جاتے تھے، دیر تک تمہاری خوشبو محسوس ہوتی رہتی تھی، جیسے نسیم کی خوشگواری محسوس ہوتی رہتی ہے، مسلمان جدھر سے گزر گئے گلی کوچے معطر کر گئے، اور جہاں سے چلے آئے وہاں سے سفارتیں بھیجی گئیں، کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے، مسلمان نہیں ہیں، جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی زندگی درست کریں، اور جو ان کے مقدمات و معاملات میں بے لاگ فیصلہ کریں، ان کی خواہش پر مسلمان بھیجے گئے، افسوس اب تم ایسے بن گئے کہ تمہارے نہ ہونے سے ملک میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، آج تک کسی نے اپنے ملک سے ماہرین فن، ڈاکٹروں اور دستکاروں کو نکالا ہے؟ مشرقی پنجاب میں لوہاروں کی ضرورت تھی، تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ بسائے گئے، اگر تم میں اخلاقی برتری ہوتی تو اخلاقی ضرورت کا احساس مجبور کرتا کہ تمہیں ملک کی امانت سمجھ کر رکھا جائے، تمہارے دودھ والے پانی ملانے سے پرہیز کرتے، تمہارے درزی کپڑا بچانے کو عیب سمجھتے تمہارے دستکار اور مزدور محنت سے پورا دن لگ کر کام کرتے تمہارے حاکم رشوت کو حرام سمجھتے تو دنیا کا کوئی ملک تمہاری جدائی کو گوارا نہ کرتا۔

انشاء اللہ

جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ رہی ہے:
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
کے زیر اہتمام
حدیث نبوی ﷺ پر ایک بیش قیمت تالیف

ارشادات نبویؐ کی روشنی میں
نظام معاشرت

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ
کی تصنیف
"الأدب المفرد" کی اردو میں شرح وترجمانی
جناب مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)
کے شاداب وشگفتہ قلم سے

ناشر
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
پوسٹ بکس 119 ندوۃ العلماء، لکھنؤ

شخصیت

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

اعتدال پسند، ممتاز داعی وفقیہ

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

معاصر اسلامی دنیا کی نامور وممتاز اعتدال پسند شخصیتوں میں سب سے نمایاں نام ڈاکٹر شیخ یوسف عبداللہ قرضاوی کا ہے جن کی زندگی بچپن سے لے کر اب تک علم وفکر، حکمت ودانش اور کردار وعمل کا ایک خوشنما، دلآویز موثر پیکر رہی ہے، آج بھی ان کی شخصیت اس طرح متحرک، رواں دواں اور نفع بخش و ثمر آور ہے، جس طرح وہ کم عمری اور جوانی میں تھی۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے علم وعمل کا دائرہ بے حد وسیع، ہمہ جہت وہمہ گیر ہے، وہ ایک ممتاز عالم، راسخ العقیدہ مفکر وفقیہ، اعتدال پسند داعی ومصلح، شعلہ بار خطیب، موثر ومتوازن متکلم، اور صاحب طرز انشاء پرداز وشاعر ہیں، انہوں نے اپنی یونیورسٹی کی تدریسی ذمہ داری وشعبہ کی سربراہی کے پہلو بہ پہلو متنوع ومختلف موضوعات سے متعلق گرانقدر وکثیر تصانیف و چند شعری مجموعے تیار کئے ہیں، طبع شدہ تصنیفات کی تعداد ۹۶ ہے، شعری مجموعے کے گیارہ مختصر رسالے ہیں۔ نیز ۲۰ توسیعی خطبات زیر طبع ہیں، شیخ قرضاوی اپنی تمام تر مصروفیات، اصلاحی، دعوتی وعلمی اسفار اور سیمناروں وکانفرنسوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ روزانہ بلاناغہ کچھ نہ کچھ لکھتے اور تحریر کرتے ہیں۔ جب قیام رہتا ہے تو ملازمت کی ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے جانے سے قبل اپنے مطالعہ کے کمرہ میں چلے جاتے ہیں (جس کا نام انہوں نے صومعہ (مذہبی گوشۂ عبادت) رکھ رکھا ہے) اور ڈیوٹی کے وقت تک مطالعہ اور تحریر وانشاء میں مشغول رہتے ہیں بھی یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد بھی اور ڈیوٹی کے دوران بھی موقع مل گیا تو لکھنے بیٹھ جاتے ہیں، سفر میں اور ہوائی جہاز پر بھی لکھنے کا ماحول بنا لیتے ہیں۔

شیخ یوسف القرضاوی مصر نژاد ہیں، قطر میں زندگی کا بیشتر حصہ گذارا اور وہاں کے شہری بھی ہیں، عالم عرب واسلام کے ممتاز عالم اور عالمی سطح پر مرجع خلائق ہیں، انہوں نے اپنی ان صفات سے دور حاضر کی بعض ممتاز شخصیتوں اور گذشتہ صدیوں کے محبوب و مقبول علماء کی یاد تازہ کردی ہے۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت

ڈاکٹر یوسف القرضاوی مصر کے مغربی ضلع کے ایک گاؤں (صفط تراب) میں ۹ رستمبر ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے، ابھی دو سال کی عمر تھی کہ والد شیخ عبداللہ کی وفات ہوگئی، انہیں یتیم اور بے سہارا ہونے کا شدید صدمہ ہوا، اور والدہ معظمہ اور چچا نے سرپرستی کی اور ڈھارس بندھائی، والدہ، علم وتعلیم اور تربیت کا بھرپور ملکہ رکھتی تھیں، انہوں نے اچھی پرورش کے ساتھ دینی تعلیم وتربیت کی جانب خاص طور سے توجہ کی، قرآن مجید کے حفظ کے لئے ایک مکتب میں داخل کرادیا تاکہ وہ سب سے پہلے قرآن حفظ کرلیں کیونکہ آئندہ دینی واسلامی تعلیم وخدمات کے لئے پہلا اور اولین سرچشمہ قرآن ہی ہے، مگر حافظ صاحب کی سخت گیری، بدمزاجی اور شدت پسندی کی وجہ سے چند روز کے بعد ہی مکتب تحفیظ القرآن جانا چھوڑ دیا، یہ ان کی کمسنی میں ایک طبعی حقیقت کی جانب اشارہ تھا کہ انہیں تشدد، بدمزاجی اور سخت گیری ناپسند ہے، انہیں اس امر نے اور زیادہ دل برداشتہ کردیا کہ پہلے دن بلاقصور حافظ صاحب نے پٹائی کردی، ممکن ہے کہ حافظ صاحب اس اصول کے طرف دار رہے ہوں کہ: (گربہ کشتن روز اول) وہ ان کے دل میں اپنا رعب وخوف بٹھانا چاہتے تھے، حالانکہ وہ محبت وانس سے بھی ان کا دل جیت سکتے تھے۔

ان کے ننھے سے دل کو اس سے بھی ٹھیس پہنچی کہ والدہ اور والد کے گھر والوں اور اہل تعلق میں اپنی ذہانت، حافظہ، زود فہمی اور سعادت مندی کے حوالہ سے بہت پسندیدہ ومقبول تھے ہر ایک کی زبان "یوسف الصغیر" کی تعریفوں سے تر رہتی تھی۔

ایک دوسرے مکتب میں حافظہ کے لئے داخلہ دلایا گیا اس میں انہوں نے ۹ سال کی عمر سے پہلے ہی قرآن کریم حفظ کرلیا، والدہ معظمہ اور گھرانہ کو مسرت و فخر کا احساس ہوا اور ان کے اعزاز ومبارکباد کے لئے بزم مسرت منعقد کی گئی جس میں شاندار ضیافت کا نظم کیا گیا، ان کے عم محترم کا خیال تھا کہ جامع ازہر کا نصاب وطرز تعلیم دشوار اور مشکل ہے اس لئے انہوں نے یہ تجویز رکھی کہ کوئی کام سیکھ لیں یا ان کے لئے ایک دوکان کھول دی جائے جس سے وہ خرید وفروخت اور کاروبار تجارت کریں، لیکن شیخ یوسف کی آرزو تھی کہ وہ جامع ازہر میں تعلیم حاصل کریں۔

حسن اتفاق کہ ایک روز یہ اپنے چچا وغیرہ کے ساتھ کھیت میں کچھ کام کر رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک صاحب گذرے اور دریافت کیا کہ کیا پانی ہے؟ ان لوگوں نے پانی پیش کیا، انہوں نے نوش کیا، وہ ایک ازہری عالم تھے، چچا نے ان ازہری عالم سے کہا کہ ہمارے اس "چھوٹے شیخ" کا امتحان لیجئے، شیخ یوسف سے مخاطب ہوئے اور پوچھا، کیا کچھ قرآن شریف یاد ہے؟ بچے نے جواب دیا: جی ہاں ان سے چند آیتیں پڑھوائیں چھوٹے شیخ نے ایک بھی غلطی نہ کی اور بڑی روانی وخوش الحانی سے قرآن سنادیا، ازہری شیخ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنا قیمتی ہیرا ہے؟

اور تم اس کی ناقدری کر رہے ہو، تم اس بچہ کو ازہر میں کیوں نہیں داخل کردیتے؟ شیخ قرضاوی کے چچا نے کہا کہ: حضرت مولانا! ہم غریب لوگ ہیں تعلیمی اخراجات کے متحمل نہیں ہوسکتے ہیں اس کے علاوہ تعلیم حاصل کرلینے کے بعد یہ کام نہیں کریں گے، ازہریوں کا انجام آپ کو معلوم ہے کتنے بے روزگار گھوم رہے ہیں؟

اس نیک دل نے شیخ یوسف کے چچا سے سوال کیا: کیا آپ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی ضمانت لے سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں ہے فرمایا تو پھر آپ مستقبل کو اللہ کے حوالہ کردیجئے، چنانچہ انہوں نے شیخ یوسف کو جامع ازہر کے ابتدائی درجہ میں داخل کرادیا، چھوٹے شیخ نے اپنی استعداد، صلاحیت اور محنت سے امتیازی نمبر حاصل کئے اور اپنے اساتذہ کے لئے مرکز توجہ بن گئے، ابھی یہ ابتدائی تعلیم کے آخری مرحلہ میں تھے کہ والدہ معظمہ کا انتقال ہوگیا، جنازہ میں شرکت کے لئے گاؤں آئے، وہاں ان کے عربی زبان کے استاد ملے، جو یوسف القرضاوی کو اس زمانہ میں ہی ان کی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے "علامہ" کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے، ان سے کہا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ والدہ کی وفات سے تمہارے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو جائے، اور ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، شیخ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ انشاء اللہ تعلیم جاری رہے گی، استاد کے آنسو تھم گئے۔

ابتدائی تعلیم مکمل کرکے ثانوی مراحل کا آغاز کیا اسی دوران امام حسن البنا اور جماعت اخوان المسلمین سے تعارف ہوا، شیخ کی گھریلو تعلیم وتربیت نے دین داری کے ساتھ ساتھ دعوتی جذبہ پیدا کردیا تھا، امام حسن اور ان کی جماعت شیخ یوسف کے مزاج وفکر سے ہم آہنگ محسوس ہوئی اور بہت جلد اس سے مانوس اور متاثر ہوگئے، اس کے حلقوں اور دعوتی سرگرمیوں میں شرکت کرنے لگے، ثانوی تعلیم کے آخری درجہ میں تھے کہ ۱۹۴۹ء میں اپنے اخوانی رفقاء کے ساتھ گرفتار کرلئے گئے تھوڑی ہی مدت کے بعد جیل میں امام حسن البنا کی شہادت کی خبر اس کم عمر یوسف کے دل پر بجلی بن کر گری اور جسم وجان کو بے حال وبے جان بنادیا، امام حسن البنا کے فیضان نظر یا ان کی کرامت تھی کہ اس یوسف الصغیر کو انفرادی دین داری سے اجتماعی دعوت، مسلم مسائل اور امت کے غم و درد سے آشنا کردیا، شیخ قرضاوی کو ہائر سکنڈری کے سالانہ امتحان کے دوسرے مرحلہ کے امتحان میں شریک ہونے کے لئے رہا کیا گیا، انہوں نے پوری سلطنت مصر میں امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کیا پوزیشن حاصل کی، اول پوزیشن لانے والے طالب علم اور ان کے درمیان نصف نمبر کا فرق تھا۔

اعلیٰ تعلیم اور عملی زندگی

جامع ازہر کے دینیات فیکلٹی میں داخلہ لے کر امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی ۱۹۵۲ء میں مصر میں فوجی انقلاب آیا اور جنرل محمد نجیب صدر جمہوریہ منتخب ہوئے، دو سال بڑے امن وسکون کے گذرے، جنرل محمد نجیب نے اپنی غیر معمولی قائدانہ صلاحیت، نیکی وصلاح، فکری ودعوتی مزاج، مصری عوام کی فلاح وبہبود اور امت مسلمہ کے مسائل سے دلچسپی کی بناء پر ترقی وکامرانی، تعمیر وخوشحالی کی راہ ہموار کرنی شروع کی، مصری عوام، سیاسی ومذہبی جماعتوں، خاص طور سے جماعت اخوان المسلمین نے صدر محترم کی مکمل تائید وہمنوائی کی اور مغربی سامراج کی سیاسی، فکری وذہنی غلامی کے سیاہ سایے سمٹنے لگے، مگر اغیار کو چین و سکون اور تعمیر وترقی پسند نہیں آئی، اس نے ایک سازش کے ذریعہ دوسرا انقلاب برپا کیا اور اپنے ایک انتہائی وفادار کارندہ کرنل جمال عبدالناصر کو سربراہ حکومت بنادیا اور اسی کے واسطہ سے ۱۹۵۴ء میں ان تمام عناصر مطور جماعت اخوان المسلمین کے ارکان کو گرفتار کرلیا جن سے موہوم مخالفت کا اندیشہ تھا، ان قیدیوں میں ہمارے شیخ یوسف القرضاوی بھی تھے اور جیل میں سخت ترین ایذاء وتکلیف سے گذرے، ۱۹۵۶ء میں قید سے رہائی ملی مگر یہ شرط بھی لگادی گئی کہ انہیں کوئی ایسی ملازمت نہ دی جائے جس کے ذریعہ ان کا عوام سے رابطہ قائم ہوسکے، وہ خود رقم طراز ہیں:۔

"مجھے اب تک یاد ہے کہ میں فوجی قید خانہ سے موسم گرما ۱۹۵۶ء میں رہا ہوا، اس کے بعد فوراً ہی میں نے چند مضامین رسالہ "منبر الاسلام" میں شائع کرائے، یہ رسالہ مصری وزارت اوقاف کی جانب سے نکلتا تھا میں نے یہ مضامین (یوسف عبداللہ) کے نام سے لکھے اور (القرضاوی) کا لقب اس ڈر سے نکال دیا کہ کہیں خفیہ محکمہ کو ناراض نہ کردے جو مجھ پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا اور اس نے مجھے کسی ایسی سرکاری یا نجی ملازمت کرنے سے روک رکھا تھا جس کے ذریعہ میرا عوام سے ملنا جلنا ہوسکے، خصوصاً وہ دو موضوع جن میں میرا اختصاص تھا، تدریس اور دعوت واصلاح۔

اتفاق سے میں نے جامع ازہر کی ایک شاخ میں تدریس کے لئے انٹرویو بھی دیا تھا کامیاب ہونے والوں میں میرا پہلا نام تھا مگر جب یہ نام سی آئی ڈی محکمہ میں منظوری کے لئے پیش کئے گئے تو میرا نام حذف کردیا گیا، اسی وجہ سے میں نے اپنا پورا نام لکھنا چھوڑ دیا تھا"

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی پیش آیا، یوسف عبداللہ کے نام سے ایک شخص وزارت اوقاف میں ملازم تھا رسالہ منبر الاسلام ہر مضمون پر پانچ مصری پونڈ معاوضہ دیتا تھا، میرا پہلا مضمون رسالہ میں عبداللہ یوسف کے نام سے شائع ہوا، تو اس نے

اصلاح معاشرہ

نسلی تفاخر وامتیاز اور اسوۂ رسول اکرم ﷺ

مولانا خالد ندوی غازی پوری

معاشرتی اور سماجی برائیوں میں ”نسلی تفاخر“ ایک ایسی برائی ہے جس کی کوکھ سے بڑی بڑی برائیاں جنم لیتی ہیں، حسد، کینہ، توہین وتحقیر کے جذبات معاشرہ میں ناسور کی طرح بڑھتے چلے جاتے ہیں، دلوں میں دوری، باہمی عدم تعاون، اخوت وانصاف کے تقاضے اس کے جلو میں سوخت ہوجاتے ہیں، نسلی تفاخر سے عصبیت اور بے جا حمایت کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے، رنگ ونسل اور زبان کو مقدس قرار دے کر بت کی طرح اس کی پرستش شروع ہوجاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے نسلی تفاخر کے آہنی پنجوں میں انسانیت دم توڑ رہی تھی۔ قریش کو اپنی نسلی بڑائی کا اتنا غرہ تھا کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے طواف کے لئے آنے والوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ جب تک ان کا لباس پہن کر وہ طواف نہیں کریں گے ان کی عبادت قبول نہیں ہوگی، لہذا آنے والے لباس کرائے پر لے کر پہنتے اور طواف کرتے تھے، یا پھر اپنا لباس اتار کر برہنہ طواف کے لئے جاتے تھے۔ قریش اپنے آپ کو خانہ کعبہ کا خادم اور متولی سمجھتے تھے، لہذا اپنے ہر عمل کو بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی علامت قرار دیتے تھے، لہذا تمام قبائل کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے، اس لئے حج کے ایام میں سارے حجاج عرفات میں پہونچ کر وقوف کرتے لیکن قریش صرف مزدلفہ تک ہی جاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ہم حرم کے باسی ہیں حدود حرم سے باہر نہیں جاسکتے، اپنے آپ کو ”حمس“ مقدس فرد تصور کرتے تھے۔

نسلی تفاخر کی وجہ سے دوسرے قبائل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ان میں شادی بیاہ، لین دین کا معاملہ کرنا فروتر خیال کرتے تھے، لسانی تفاخر کا حال یہ تھا کہ اپنی زبان آوری کے آگے سارے جہاں کو عجم یعنی گونگا باور کرتے تھے، نسلی تفاخر نے ان کے ذہن ودماغ کو اتنا اونچا کردیا تھا کہ بسا اوقات اس خیال سے کہ کبھی ان کی انا کو ٹھیس پہونچ سکتی ہے، اور جس قبیلہ میں بچی بیاہی جائے گی اس قبیلے کے سامنے جھکنا پڑے گا، اپنی بچیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے، ایسے وقت میں حضور ﷺ کی بعثت ہوئی، جس کا بنیادی مقصد انسانی عظمت کو قائم کرنا، اور خالق ومخلوق کے درمیان صدیوں سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنا تھا، جہالت کی تاریکی کو دور کرکے علم کی تنویر کو عام کرنا تھا۔

آپ کی بعثت مبارکہ سے جہالت کی کائی چھٹی، علم کا آفتاب طلوع ہوا، انسانیت کی کھیتی ہری ہوئی، مظلوموں کو سہارا ملا، انصاف کے تقاضے پورے ہوئے، اور انسان کو اولاد آدم ہونے کے ناطے برابری کا درجہ ملا، حضرت بلال حبشیؓ ایک سیاہ فام غلام تھے، وہ سردار بنائے گئے، حضرت سلمان فارسیؓ جو عجمی نژاد تھے بارگاہ رسالت میں باوقار ہوئے، عربوں کے مقابلے میں جنگی حکمت عملی میں ان کے مشورے قابل قبول ہوئے، بارگاہ رسالت سے یہ اعلان ہوا۔

”کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی سیاہ فام کو سفید فام پر کوئی فضیلت وبرتری حاصل ہے، تم آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، تم میں اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ ہے جو تم میں سے سے زیادہ متقی ہو پارسا ہو۔“

حضور ﷺ نے نسلی غرور وتفاخر کا قلع قمع کرنے کی غرض سے نسلی مساوات کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی ایک ایسے غلام سے کرائی جسے آزاد کرکے آپ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔

جب ملک فتح ہوا، خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کیا گیا، نماز کا وقت ہوا تو اذان دینے کے لئے خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلالؓ کو چڑھ کر اذان دینے کو کہا گیا، یہ ایک اعزاز تھا، ہاشمی، مطلبی، مخزومی، عدوی، کلبی اور قریش مکہ کے دیگر شاخوں کے افراد موجود تھے، لیکن اس مقدس سرزمین کی مقدس بارگاہ کی چھت پر آج اسے چڑھایا جارہا تھا، جو کل تک روندا کچلا جارہا تھا، جس کے سینے پر پتھر رکھے جارہے تھے، اور تپتی ہوئی ریت پر ننگے بدن لٹا کر گھسیٹا جارہا تھا، آج اسے سب کی موجودگی میں خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھا کر یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ خدا کی بارگاہ میں حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں، قرب الٰہی کے لئے ایمان وتقویٰ اصل سرمایہ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام آپؐ پر جان چھڑکتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا ایثار، حضرت عمرؓ کا خلوص، حضرت عثمانؓ کی طاعت اور حضرت علیؓ کی محبت آپؐ کے لئے، آپؐ کے مشن کے لئے، آپ کی دعوت وشریعت کے لئے مثال تھی، لیکن قرآن پاک میں اگر کسی کا نام آیا ہے تو صحابہ کرام میں صرف اس غلام کا آیا ہے، جس کو حضور اکرم ﷺ نے غلامی سے آزادی عطا کی تھی، اور اپنے گھرانے کا ایک فرد بنایا تھا۔ قرآن پاک نے حضرت زید کے نام کو ان کے کردار کو دوام عطا کیا، اور اگر کسی قریشی کا نام آیا تو ابولہب کا آیا، جس پر تباہی اور ہلاکت مسلط کی گئی۔

لہذا اسلام نسلی امتیاز کا قطعاً روادار نہیں، اس نے اسی لعنت پر گہری ضربیں لگائی ہیں، اور اس کی جڑیں زمین کی اندرونی تہوں سے کھود کر اکھاڑ پھینکنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اس نے اعلان کیا۔

”اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور بعد میں تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ اس سے تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لیکن (جہاں تک عزت وذلت کی بات ہے) زیادہ عزت دار وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔“ (الفرقان) ☆

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے ایک قاری اور قدرداں جناب حاجی عبدالحمید صاحب تحصیل روڈ کا[illegible]گنج ضلع ایٹہ انتقال کرگئے

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سوچا کہ شاید کسی بڑے عالم شیخ محمد الغزالی یا سید سابق نے اس کے نام سے مضمون شائع کرادیا ہے تاکہ اسے کچھ مادی فائدہ پہنچ جائے چنانچہ وہ رسالہ کے دفتر وصول کرنے پہنچ گیا، کارروائی بھی مکمل ہوگئی وہ وصولیابی کے رجسٹر پر دستخط کرنے جارہا تھا کہ اسی کے دفتر کا ایک ساتھی آگیا وہ حقیقت سے واقف تھا اس طرح وہ پانچ پونڈ شیخ قرضاوی کو مل گئے جس کی انہیں اس زمانہ میں بے حد ضرورت تھی۔

مصر کے اس عصر میں یہ حالات تھے جس نے شیخ یوسف قرضاوی کے لئے رزق کے دروازے بند کردیئے تھے، صدر جمال عبدالناصر جو مصطفیٰ کمال اتاترک کے بعد دوسرا سربراہ حکومت تھا، جس نے عالم عرب واسلام کو مغرب وپنجۂ یہود میں جکڑنے اور ان کا دست نگر بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، اس نے بیسویں صدی کی پانچویں وچھٹی دہائیوں میں جماعت اخوان اور اسلامی ودینی کام کرنے والوں کے لئے عرصہ حیات تنگ کردیا تھا، مگر رزق کی ذمہ داری تو خالق کائنات نے لے رکھی ہے ”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“ اور ”هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیخ یوسف کے لئے نہ صرف ملازمت بلکہ کام کے وسیع تر مواقع فراہم کردیئے۔

شیخ یوسف قرضاوی قطر میں

۱۹۶۱ء کی گرمیوں میں انہیں اچانک مصر کی خفیہ ایجنسی نے گرفتار کرلیا اور ایک ماہ بیس روز جیل میں رکھا غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ تعطیل گرما میں انہیں طلبہ، اساتذہ اور نوجوانوں سے دور رکھا جائے، جیل سے چھٹکارے کے ساتھ ہی حکومت قطر کی جانب سے وہاں کے دینی انسٹی ٹیوٹ کی سربراہی کے لئے تقرر نامہ ملا، ڈاکٹر یوسف نے اسے غیبی امداد سمجھ کر قبول کرلیا اور قطر روانہ ہوگئے، اپنی خداداد قابلیت سے انسٹی ٹیوٹ کے معیار اور کارکردگی کو دوبالا کردیا ان کے پاس اپنے وطن مصر کا پاسپورٹ تھا، اس کی مدت ختم ہونے والی تھی، مصر کے سفارت خانہ تجدید کرانے کے لئے گئے تو سفارت خانہ نے تجدید کرنے سے انکار کردیا، اس کی اطلاع قطر کے ذمہ داروں کو ملی تو انہوں نے قطر میں قیام کا اجازت نامہ بنادیا ۱۹۶۹ء تک اسی اجازت نامہ کے مطابق قیام کیا، اور مسلسل کوشش کرتے رہے کہ وطن کی جانب سے پاسپورٹ مل جائے لیکن حکومت مصر نے نہ پاسپورٹ دیا اور نہ مصر میں داخل ہونے کی اجازت دی، مجبوراً قطر کی شہریت حاصل کرلی۔

قطر یونیورسٹی قائم ہوئی تو ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے شریعت فیکلٹی قائم کرنے کے لئے حکومت قطر سے منظوری حاصل کی یونیورسٹی نے انہیں کو اس کا ڈین مقرر کیا، ۱۹۹۵ء میں انہوں نے ایک ریسرچ سینٹر قائم کیا جس کے ریسرچ وتحقیق کا دائرہ کار خصوصیت سے سنت اور سیرت نبوی ہے اس کے ڈاکٹر قرضاوی ہی سربراہ ہیں، اس مدت میں ان کے اور ان کے دوسرے رفقاء قلم سے متعدد گرانقدر تصنیفات نکلیں اور شائع ہوئیں۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی اسلامی، علمی، تصنیفی، دعوتی اور سماجی وتعلیمی خدمات کی بنا پر اپنے اساتذہ اور بڑوں کی زندگی ہی میں ناموری اور مقبولیت حاصل کرلی تھی، وہ اپنی مذکورہ بالا صفات کے ایک باوصف، ایک شعلہ بار خطیب ہیں، عرب خطابت کے بھرپور جوہر اور لیاقت کے حامل ہیں، اور عصر حاضر کے ممتاز خطیبوں (جن میں ان کے اساتذہ کے صف کے حضرات ہیں) میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں بیسویں صدی کے جن عرب خطیبوں کی تقریریں سننے کی راقم سطور کو سعادت حاصل ہوئی ہے ان میں سرفہرست ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی شام شیخ عبدالحکیم عابدین، ڈاکٹر سعید رمضان، ڈاکٹر فتحی عثمان، شیخ مناع قطان، شیخ محمد الواعی اور شیخ متولی الشعراء (مصر) شیخ محمد محمود الصواف (عراق) اور استاذ محفوظ نحناح (الجزائر) ہیں، ڈاکٹر یوسف القرضاوی اس وقت تک اسی شان ومقام کے مقرر ہیں، ہندوستان کئی بار تشریف لاچکے ہیں، پہلی بار مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوت پر ندوۃ العلماء کے پچاس سالہ جشن کے موقع پر ۱۹۷۵ء میں آئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے تعلق ومحبت کا آغاز اس وقت سے ہوا تھا جب وہ جامع ازہر میں ۱۹۵۱ء میں طالب علم تھے ان کی مصر تشریف آوری کی خبر سن کر ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر“ کے مصنف کے طور پر ملاقات کرنے قیام گاہ گئے اور آخر عمر تک عقیدت واستفادہ کا تعلق باقی رہا، ان سے متعلق کتاب بھی لکھی اور مضامین بھی سپرد قلم کئے، اسی جشن ندوۃ العلماء میں شاندار وپرجوش تقریر کی، پورا مجمع گوش برآواز اور مبہوت تھا، عربی خطابت کی تاثیر شعلہ بیانی کی داستان جو سنی تھی اب وہ اپنے کانوں سے خود سن رہا تھا، آج تک اس تقریر کی گونج اور صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے، جس کا ترجمہ نہیں کیا جاسکا تھا۔

خانوادۂ حسنی کو صدمہ

مولانا ابوبکر حسنی مرحوم کی صاحبزادی محترمہ اور مولانا بلال حسنی صاحب کی خوشدامن صاحبہ طویل علالت کے بعد ۲۸ صفر مطابق ۱۹ اپریل کو انتقال کر گئیں۔ تدفین تکیہ رائے بریلی میں عمل میں آئی۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور خانوادۂ حسنی کے جملہ افراد نے تدفین میں شرکت فرمائی۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ جملہ متعلقین وپسماندگان سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔

رفتارِ کار

تأثر کے اظہار کا سب سے مؤثر ذریعہ ادب ہے

رانچی میں رابطہ ادب اسلامی کا ایک سیمینار

رپورٹ: اقبال احمد ندوی

عالمی رابطہ ادب اسلامی ایک ادبی و ثقافتی انجمن ہے جس کی شاخیں دنیا کے مختلف ممالک میں کام کررہی ہیں، خود ہندوستان میں لکھنؤ کے صدر دفتر کے علاوہ دہلی، بھوپال، بھٹکل، بنگلور، حیدرآباد اور اورنگ آباد میں اس کے فرعی دفاتر قائم ہیں۔

ابھی حال میں مؤرخہ ۱۳رصفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۴راپریل ۲۰۰۴ء کو رانچی میں اس کے جدید فرعی دفتر کا قیام عمل میں آیا، اس موقع پر ''ادب اسلامی: غرض و غایت اور طریقۂ کار'' کے موضوع پر ایک یکروزہ علاقائی سیمینار بھی منعقد ہوا، جس کا اہتمام علامہ سید سلیمان ندوی ایجوکیشنل سوسائٹی نے کیا تھا، جس کے روحِ رواں اور بانی صدر مولانا آفتاب عالم ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہیں۔

سیمینار انجمن پلازہ ہال رانچی میں تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا، صدارت صدر رابطہ ادب اسلامی شعبۂ ممالک مشرقیہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے فرمائی۔ سب سے پہلے ناظم جلسہ مولانا آفتاب عالم ندوی نے رابطہ ادب اسلامی کا تعارف کرایا، اور سیمینار کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی، اس کے بعد جناب شریف احسن مظہری نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، جب کہ مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے اپنے مقالے پڑھے:

۱- پروفیسر سید عبد الباری شبنم سبحانی (اسلامی ادب، منظر اور پس منظر) ۲- ڈاکٹر احمد سجاد (عصری ادبی منظر نامہ میں اسلامی ادب کا رول) ۳- جناب سید علی (اسلامی ادب کی بنیادی قدریں) ۴- جناب احمد فرحان (ادب اسلامی کے بنیادی عناصر) ۵- ڈاکٹر عبد المتین (اسلامی ادب مقصد اور طریقۂ کار)

اخیر میں صدر جلسہ نے اپنے صدارتی خطاب میں رابطہ کے قیام، غرض و غایت اور رفتار کار کا جائزہ لیا، انہوں نے رابطہ کی کارکردگی اور خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تأثر وانفعال کا مادہ رکھا ہے، اور اسے اپنے تأثر کے اظہار کی صلاحیت بھی بخشی ہے، اور تأثر کے اظہار کا سب سے طاقتور اور بڑا ذریعہ ادب ہے، اس لئے ادب کی بڑی اہمیت ہے۔ نیز اسلام چونکہ زندگی کے سارے پہلو کو محیط ہے، اس نے انسان کو شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی رہنمائی کی ہے، اس لئے ہم جب ادب کا اسلام سے تعلق جوڑتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسلام نے ادب کے سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے ہم اس پر عمل کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان انسان رہتے ہوئے زندگی گزارے، اور اسلامی قدروں کی پاسداری کرے، یورپ کی مادہ پرست تہذیب نے انسان کو بالکل آزاد بنادیا، اچھے اور برے کا فرق مٹادیا کہ جو چاہے کرے، وہاں ادب میں بھی آزادی در آئی، اور ادب کا جو نظریہ آیا وہ اسلامی تعلیمات کے مخالف تھا، اس لئے ہمیں ادب کے ساتھ لفظ اسلامی لگانے کی ضرورت پڑی۔ یورپ میں افکار ونظریات اور فلسفے بدلتے رہے، ہر نظریہ اور فلسفہ نے اپنا نیا ادب پیش کیا جو نظریہ کی تبدیلی سے بدلتا رہا، لیکن اسلامی ادب ایک ہے، اور اخلاقی قدروں کا پابند ہے، ہم اسلامی ادب کے پلیٹ فارم سے اسی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ ادب کو ہم ان مقاصد کے لئے استعمال کریں جو مقاصد اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں، اسی کے لئے ہم سیمینار منعقد کرتے ہیں، اس سے ہمارے سوچنے سمجھنے کے انداز میں اضافہ ہوتا ہے، یہاں یہ سیمینار اس لئے رکھا گیا کہ یہاں ایک ایسا سلسلہ قائم ہوجائے جس میں یہاں کے دانشور حضرات شریک ہوں اور ادبی امور پر تبادلۂ خیال کریں۔ اسی روز بعد نماز مغرب ہفت روزہ صدائے جھارکھنڈ کے دفتر میں رابطہ کے فرعی دفتر کا قیام عمل میں آیا، جس کا افتتاح صدر رابطہ نے فرمایا، اور ڈاکٹر احمد سجاد، پروفیسر حسن رضا اور پروفیسر سید عبد الباری نے اپنے تأثرات اور نیک خواہشات کا اظہار کیا، اس موقع پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ شروع شروع میں جب رابطہ کا قیام عمل میں آیا تھا تو لوگوں کو ''اسلامی'' کے لفظ پر اعتراض ہوا، لیکن اب الحمد للہ اس کے اثرات کم ہونے لگے ہیں، اور لوگوں نے ادھر توجہ کی ہے، اس وقت ماشاء اللہ رابطہ کی شاخیں دنیا کے مختلف ممالک اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں کام کررہی ہیں، اور اس کے تحت اردو، عربی، ترکی اور بنگلہ زبانوں میں نصف درجن سے زائد مجلات اور رسالے نکل رہے ہیں، انشاء اللہ اس علاقائی دفتر کے ذریعہ یہاں ادب اسلامی کا کام ہوگا، ادباء میں آپس میں جوڑ پیدا ہوگا، اور کام میں مزید پیش رفت ہوگی۔

دعائے مغفرت

☆ حضرت مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کی والدہ ماجدہ دیوبند میں انتقال کرگئیں۔

☆ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی نواسی، مولانا سید حسین صاحب (استاذ دار العلوم دیوبند) کی اہلیہ اور مفتی خورشید حسن صاحب کی والدہ انتقال کرگئیں۔

☆ مولانا محمود احمد گلؒ کے صاحبزادہ مولانا محمد احمد گل صاحب بھی دیوبند میں انتقال فرماگئے۔

قارئین سے مرحومین ومرحومات کے لئے مغفرت اور پس ماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعاؤں کی درخواست ہے۔

افتتاح مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی

للبحوث والدراسات الإسلامية

جناب مولانا عمیر الصدیق ندوی
رفیق دار المصنفین، اعظم گڑھ

﴿پہلی قسط﴾

حضرت شیخ الحدیث سیمینار اور ''مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الإسلامیة'' کے افتتاح کی تاریخوں کے تعین کے بعد سے ہی ملک اور بیرون ملک میں ان جلیل القدر ہستیوں کے عقیدت مندوں اور شیدائیوں کو ۲۴-۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء مطابق ۲-۳ صفر ۱۴۲۵ھ کا شدت اور بے صبری سے انتظار تھا، جامعہ اسلامیہ اور بانی جامعہ کے لئے تو گویا ہر آنے والا دن بلکہ ہر آئندہ ساعت، فکر اور شوق کے جذبات میں اضافہ کرتی جاتی تھی، حضرت شیخ الحدیثؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے انتساب اور مناسبت، مہمانوں اور میزبانوں دونوں کے ذوق وشوق کو ظاہر ہے تیز تر کرنے والی تھی، مہمانوں کے استقبال، ان کے آرام وراحت، شرکاء کی سہولت اور خاطر خواہ انتظامات کی فکر وسعی، جامعہ کے ہر شخص بلکہ مظفر پور اور اعظم گڑھ کے ان تمام لوگوں کو قدرتی طور پر دامن گیر تھی جن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں بانیٔ جامعہ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری و جامعہ اسلامیہ اور خود حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مفکر اسلام سے تھا، چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی اور ان کے بعض سرگرم رفقاء، اور خود بانی جامعہ ابوظبی سے قریب ڈیڑھ مہینے قبل تشریف لائے اور واپس جاکر بھی برابر بلکہ روزانہ فون کے ذریعہ ہدایات دیتے رہے، اس عرصے میں جامعہ اسلامیہ نے معزز مہمانوں کی آمد اور قیام کے لئے ہر ممکن کوشش کی تیاری میں خود کو مصروف رکھا، عمارتیں نئے رنگ و روغن سے آراستہ ہوئیں، چمن زاروں کو قدرت نے نئے رنگ برگ وبار اور پھولوں اور کلیوں سے سجانے میں بھی کمی نہ کی، مرکز الشیخ ابی الحسن کی نئی عمارت گل رعنا کی شکل میں حسن، دلکشی اور جاذبیت کے ایسے معماروں سے روشناس ہوئی اور صاحب نسبت کی خوبیوں سے اس طرح نکھری کہ نظریں یہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ ؎

اللہ رے حسن یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

مسجد، کتب خانہ، میوزیم، کمپیوٹر روم اور تمام عمارتیں اور چمن کا ہر گوشہ اور ہر روش اس طرح آراستہ ہوئی کہ دامن قلب ونظر ہر گام پر ان کی کشش سے کھنچتا رہا اور احساس یہ کہتا رہا کہ جا ایں جاست۔

۲۴-۲۵ مارچ کی منتظر تاریخوں کے آتے آتے اعظم گڑھ سے بنارس تک شاہ راہوں پر بلند و بالا استقبالی دروازے اپنے مہمانوں کی ترحیت کے لئے صف بہ صف ایستادہ ہوکر اپنے دامن کو چھو کر گزرنے والے ہر شخص کو یہ احساس اور پیغام دینے لگے کہ ۲۴-۲۵ مارچ کو مظفر پور کی یہ دور افتادہ، خاموش اور پُر سکون بستی، علم وعمل کی ہر دو برگزیدہ اور گذشتہ صدی میں ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی نمایاں ترین شخصیتوں کے مبارک ذکر اور معطر یادوں سے آباد، سرسبز وشاداب ہوگی، شیراز مشرق کی یہ سرزمین ایک بار پھر ایسے نفوس قدسیہ کے وجود اور ان کے مبارک سانسوں سے زندگی، حرکت اور سرشاری کی نعمتوں سے مالا مال ہوگی جو بے شبہ اس وقت عالم اسلام کی مذہبی اور روحانی اور علمی وتحقیقی سرگرمیوں کے مرکز، آبرو اور سرمایہ کی حیثیت کے حامل ہیں، ایک وقت میں ایک جگہ اتنی تعداد میں اہل علم وفضل کا یہ اجتماع اس خطے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عنایات بے پایاں کا ایسا مظہر ہوگا جو جامعہ، بانی جامعہ اور اس خطہ کے تمام باشندوں کے لئے صرف یادگار ہی نہیں بلکہ حمد وشکر کا سزاوار بھی ہوگا۔

۲۴-۲۵ مارچ سے قریب ایک عشرہ قبل حضرت بانی جامعہ ابوظبی سے تشریف لائے اور مذاکرہ علمیہ کے انعقاد کی نوک پلک درست کرنے کا عمل بھی تیز تر ہوگیا، اعظم گڑھ اور اطراف وجوانب کے معززوں، ضلع انتظامیہ کے ذمہ داروں، صحافت اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں، سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، تعاون کے لئے یہ سب حاضر اور مستعد تھے، صاف ظاہر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو مقبول بندوں سے انتساب اور بانی جامعہ کے اخلاص کو قبولیت کا شرف بخش کر اپنی عنایتوں کا باب کرم وا کردیا تھا۔

۲۳ر مارچ کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کے درمیان جامعہ اسلامیہ کے نہایت خوبصورت اور پر وقار احاطہ میں چہل پہل شروع ہوگئی اور شام ہوتے ہوتے مولانا عبد اللہ کاپودری، اور مولانا شمیم صاحب سالوجی کی آمد سے محسوس ہوا کہ جامعہ کے افق پر علم وتقویٰ کے ستارے طلوع ہونے لگے، اور جب ۲۴ تاریخ کا خورشید جہاں تاب روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ علم و فضل کے سیاروں اور ستاروں سے جامعہ کی زمین رشک فلک بنی ہوئی ہے اور شیدائی اور عقیدت مند جگہ جگہ ہالے بنائے ہوئے اپنے اپنے ستاروں کے محور پر گردش کررہے ہیں۔

مذاکرۂ علمی کا خوبصورت پنڈال اور شاندار اسٹیج یادگار تقریبات کے لئے تیار ہوچکا تھا اور علماء و فضلاء کی دید وشنید کے لئے لوگ پروانوں کی طرح وقت سے پہلے ہی وہاں جمع ہوچکے تھے، قریب دس بجے مرکز

AFZALS MAU CITY

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ
کٹنے، جلنے کی
مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن (یو-پی)

2226657

Fit & Co.

Since : 1916

Specialist in
Suits & Sherwanis

Near Sardar Sons,
at Nazirabad,
Lucknow

3N Travel & Tourist Bureau (P) Ltd.

B-3Waris Palaza Opp.Hotel Raj, Hussain Ganj
Lucknow-226001

Mobile : 9839272383,(Off) 2274709 E-mail : sabhiakale2m@yahoo.com
WEBSITE : HTTP://WWW.3NGROUP.COM

Phone : 0522-2274606 (s)
Mobile : 0522-2008348

محمد اکرم جویلرس

Mohd. Akram

JEWELLERS

Near: Odeon Cinema, Lucknow.

MTT

WESTERN UNION | MONEY TRANSFER
The fastest way to receive money world wide

آپ کا جانا پہچانا قابل اعتماد مرکز

MIRZA

مرزا ٹور اینڈ ٹرویل

(HAJ UMRAH TOUR ORGANISERS & GUIDE SERVICES)

TOUR & TRAVEL

- Haj
- Umrah
- Visa Stamping
- International & Domestic Air-Ticketing

Recognised Ministry of External Affairs, New Delhi, India
& Ministry of Haj Saudi Arabia Line M (Haj) (Regn/HTO/12/03

U.G.29, Avadh Nakkhas Crossing, Lucknow-03
Phone : (O) (91-522) 2240580-2240381 ® 2251666,Mo : 9839180765

الشیخ کی افتتاحی مجلس کی مسند صدارت پر جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء رونق افروز ہوئے، موصوف صرف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہی معتمد نہیں بلکہ ان کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کا بھی اعتماد کامل حاصل رہا، حضرت مولانا ندویؒ اور ندوۃ العلماء کی دعوت وفکر کے بزرگ ترین سفیر کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے، ان کے ساتھ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، اور بانی جامعہ مولانا تقی الدین صاحب ندوی اور جناب مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی نے بھی شہ نشین کرسیوں کو رونق بخشی، اس افتتاحی جلسہ کی نظامت نوجوان صالح مولانا فیروز اختر ندوی مدیر مرکز الشیخ الندوی کے سپرد کی گئی جنہوں نے تلاوت قرآن مجید کے لئے جامعہ کے استاد قاری مسعود احمد کو دعوت دی اور اس طرح کلام ربانی سے اس مجلس عرفانی کا بابرکت آغاز ہوا، اس کے بعد جناب منشی شکیل احمد بستوی صاحب نے مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھیؒ کی، درد وسوز میں ڈوبی ہوئی ایک نظم پیش کی، پھر تین طالب علموں نے جامعہ کا ترانہ اس طرح پیش کیا کہ ایک سماں بندھ گیا، خطبہ استقبالیہ بانی جامعہ نے پیش کیا، لیکن لکھے ہوئے خطبے سے زیادہ مولانا نے زبانی اپنے جذبات کا اظہار کیا، حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی محبتوں اور عنایتوں کے بیان میں ان کی آنکھیں نم ہوگئیں، پلکوں پر یہ ستارے قریب پچاس سال کی یادوں کو منور کرگئے، انہوں نے اس سمینار کے انعقاد کی غرض و غایت بیان کرنے کے ساتھ اعظم گڑھ اور بیرون اعظم گڑھ کے ہر مخلص تعاون کے لئے جذبات تشکر کا اظہار کیا، وقت کی تنگی نے اختصار کے لئے مجبور ضرور کیا لیکن

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

نے اس اختصار کو بھی اثر اور جامعیت کے لحاظ سے بڑی کیفیت بخش دی، خطبہ استقبالیہ کے بعد ناظم جامعہ اور ''الولد سر لابیہ'' کے حقیقی مصداق ڈاکٹر ولی الدین ندوی استاذ حدیث جامعہ دبئی نے جامعہ کی ایک مختصر لیکن نہایت جامع روداد پیش کی، وہ ایک روز قبل ہی ابوظبی سے آئے اور بجائے گھر جانے کے سیدھے جامعہ پہونچے اور پھر ہمہ تن عمل ہوگئے، ان کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے تقدیمی کلمات ادا کئے، مولانا مدظلہ کی تقریر بھی مختصر اور سادہ تھی لیکن حضرت کی سادہ شخصیت کی طرح ان کی تقریر کے متعلق یہی تأثر حق ہے کہ ؎

بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق

مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے صدارتی کلمات کی اثر انگیزی بتارہی تھی کہ ملت کے دو انتہائی قابل احترام بزرگوں کی روحانی توجہات کا آغاز ہوچکا ہے اور ان کے معتقدین کی زبانوں پر بے اختیار ایسے مضامین جاری ہورہے ہیں جن کا سرچشمہ عالم غیب ہے، اسے القاء کہئے یا الہام، بات یہی تھی کہ ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

یہ ساری باتیں انشاء اللہ حرفاً حرفاً شائع ہوں گی، اس روداد کا اختصار ان کی تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا، بانی جامعہ کا اظہار تشکر کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اپنے دست مبارک سے مرکز الشیخ کی عمارت کا صدر دروازہ کھول کر افتتاح فرمایا، اس طرح مرکز الشیخ کی اس افتتاحی تقریب کی تکمیل ہوئی، شرکاء جلسہ نے اس موقع پر مرکز کی شاندار عمارت اور اس کے وسیع وعریض کتب خانے کی زیارت کی، اور ایک مختصر چائے کے وقفہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مدنی سمینار کی افتتاحی نشست کا باقاعدہ آغاز حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت اور جناب مولانا نذر الحفیظ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظامت میں ہوا، قاری عامر صاحب کی تلاوت کے بعد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم اور حضرت سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کتاب ''اَوجز المسالک'' کا اجراء فرمایا، جو اٹھارہ جلدوں میں بانی جامعہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے، اس کے بعد بزرگ شاعر اور جامعہ اور ''الشارق'' کے خاص قدرداں جناب فاخر جلال پوری کے کلام کے بعد بانی جامعہ مولانا ندوی مظاہری مدظلہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، اور اس موقع پر بھی تحریر سے زیادہ ان کی گفتگو موثر رہی، جس میں حضرت شیخ کی عنایات وتوجہات کا ذکر محبت وعقیدت کے ایسے لہجہ میں تھا کہ سننے والوں کی تمنا تھی کہ کاش یہ لمحات دراز ہوتے جائیں، مولانا مدظلہ نے اس موقع پر اپنے مرشد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ اور حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی کا ذکر بھی کیا۔ بعض کبار علمائے ہند کے ساتھ شیخ محمد علوی مالکی، ڈاکٹر نور الدین عتر استاد حدیث دمشق یونیورسٹی، شیخ محمد عوامہ، مولانا یوسف متالہ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث لندن کے خطوط، مقالات اور پیغامات کا ذکر کرکے ان کا شکریہ ادا کیا، اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی اور ان کے ممتاز متوسلین اور صاحبان اجازت وخلافت کا تعارف بھی پیش کیا ان میں شیخ محمد اسماعیل بدات مدینہ منورہ، مولانا شبیر صاحب سالوجی جنوبی افریقہ اور مولانا عبداللہ کاپودری کناڈا، شیخ مفتی محمد اسماعیل لندن جیسی شخصیتیں شامل تھیں، ان حضرات نے بھی اس موقع پر اپنے جذبات واحساسات کے اظہار سے گریز نہیں فرمایا، اخلاص وللٰہیت اور علم حدیث سے نسبت عالیہ اور فنائیت فی الشیخ کے لحاظ سے یہ حضرات جس مقام بلند پر فائز ہیں، اس کا ایک ہلکا اندازہ ان کے کلمات مبارکہ سے کیا جاسکتا ہے، ان حضرات کی گفتگو اور صاحب معرفت اور طریقت مولانا قمر الزماں الہ آبادی کی اس موقع پر مختصر تقریر بھی انشاء اللہ پردہ تحریر پر ظاہر ہوگی، صدر نشست اور بانی جامعہ کے شکریہ اور حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعا پر یہ نشست اختتام کو پہونچی۔

(جاری.........)

☆☆☆